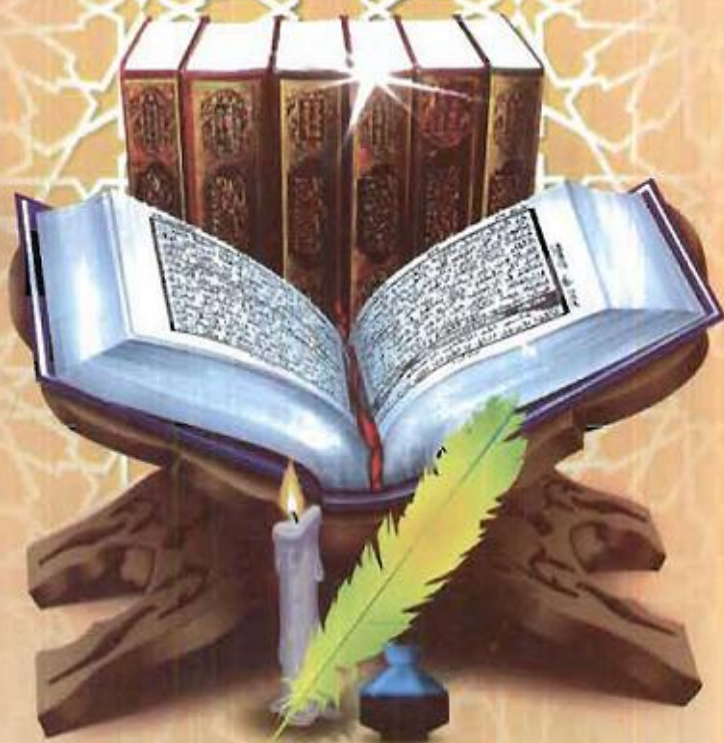


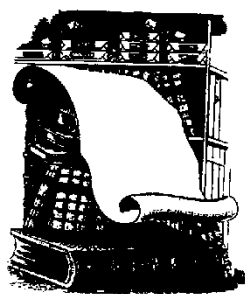
اربعین شانی

مجموعہ احادیث شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری

مترجم و شائع

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز داماد امیر کاکہ





البعین شانی



کتاب و سنت کی اشاعت کا پیشانی ادارہ

جمہور حقوق اشاعت برائے دارالابلاغ محفوظ ہیں

اربعین ثنائی

مجموعہ احادیث شیخ الاسلام مولانا محمد امجد علی صاحب دہلوی

ترجمہ و تشریح..... شیخ الحدیث مولانا محمد علی صاحب دہلوی

تخریج..... محمد اشتیاق شاہد

پہلا ایڈیشن..... جولائی 2008ء

کیوزنگ..... 0321-416 22 80 حافظ عبد الوہاب

پاکستان میں اہل کی کتاب مندرجہ ذیل اداروں سے مل سکتی ہیں

- لاہور: دارالعلوم - مرکز القادریہ 7230949، دارالاسلام کراچی 7232400، کتب خانہ 7230985، کتب خانہ 7237194، کتب خانہ 72320318
- اسلام آباد: کتب خانہ 7257567، نولک کتب خانہ 7321085، کتب خانہ 7224228، کتب خانہ 7639567
- راولپنڈی: جمعیت پشیمانی ہائے 5535198، اسلام آباد: اسلام آباد کتب خانہ 7281356
- کوئٹہ: دارالعلوم اسلامی پبلیشرز 7787137، کتب خانہ 2219988، کتب خانہ 02-02-2219988
- فیصل آباد: کتب خانہ اسلامیہ صوفیہ، کتب خانہ 631204، کتب خانہ عثمانیہ، کتب خانہ 0300-4628021، کتب خانہ 0300-4628021
- پشاور: مولانا کتب خانہ 214720، کتب خانہ 0333-2807284
- سکسٹھ: کتب خانہ، دھرم پور، سکسٹھ 052-4591911

دارالابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

رجسٹرڈ مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، فون: 00300-4453358, 042-7038771

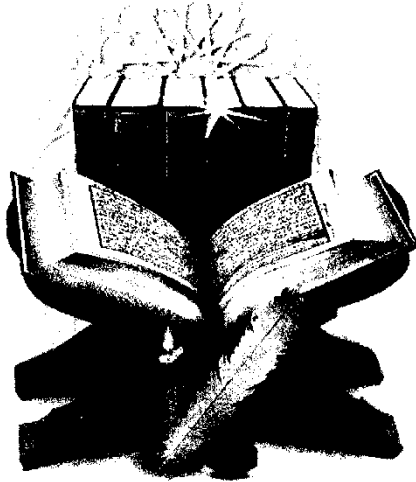


اربعین شانی

مجموعہ احادیث شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری

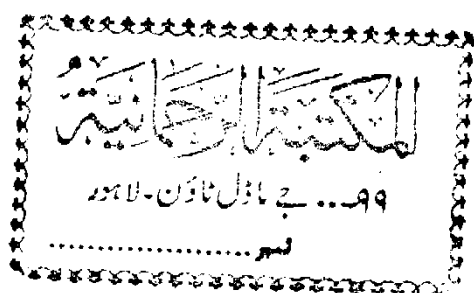
مدیر شائع

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانپازہ دہلی



دارالابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور

فون: 4453358-0300



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

- 8 عرض ناشر ❁
- 9 سبب تالیف ❁
- 11 حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمتیہ ❁
- 11 تحصیل علم ❁
- 12 فراغت کے بعد ❁
- 12 ۱۔ آریہ ❁
- 12 ۲۔ عیسائی ❁
- 13 ۳۔ قادیانی ❁
- 13 تصانیف ❁
- 14 ہفت روزہ المحدث ❁
- 14 ہجرت ❁
- 14 وفات ❁
- 16 مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمتیہ ❁
- 18 حدیث اربعین اور اربعینات کا تعارف ❁
- 26 علمائے برصغیر کی اربعینات ❁
- زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے کو والے کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جنت ❁
- 34 کی بشارت ❁
- 36 زبان پر قابو رکھو ❁

- 39 مسلمان کی بے حرمتی کا گناہ
- 42 گالی کی پہل کرنے والے پر گناہ
- 44 چغل خور کے بارے میں وعید
- 45 سچ کی جزا اور جھوٹ کی سزا
- 46 جنت اور جہنم میں لے جانے والے کام
- 48 جھوٹے لطیفوں کے ذریعے لوگوں کو ہنسانے والے کے بارے میں وعید
- 49 خاموشی نجات کا ذریعہ ہے
- 51 کلام کی قسمیں
- 51 حسن اسلام کیا ہے؟
- 54 جھوٹ کی بدبو سے بیزاری
- 56 دورو یہ کے بارے میں وعید
- 58 مومن کا وصف
- 60 تائب کو طعنہ دینے کا گناہ
- 64 مسلمان لعنت نہیں کرتا
- 64 مومن جھوٹ نہیں بولتا
- 65 نبی مکرم ﷺ کی تعریف کو حد سے نہ بڑھانا
- 69 جاہلیت کی باتوں پر فخر نہ کرنا
- 71 بڑا بدنصیب کون ہے؟
- 72 ماں کا حق باپ پر
- 74 کبیرہ گنہوں کا ذکر
- 79 والدین کو گالی نہ دو

- 80 قطع رحمی جنت کے راستے میں رکاوٹ ❀
- 81 قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی ❀
- 82 والدین کی خوشنودی ❀
- 83 نانا تا توڑنے والے اللہ کی رحمت سے محروم رہتے ہیں ❀
- 84 دوسروں پر رحم کرنے والے ہی اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں ❀
- 86 ماں کی خدمت بڑے سے بڑے گناہ کی معافی کا ذریعہ ❀
- 87 بچیوں کی پرورش کی فضیلت ❀
- 88 تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں ❀
- 90 مسلمان ظالم و مظلوم کی مدد کرو ❀
- 92 مسلمان کی خیر خواہی اور حاجت روائی کرنا ❀
- 93 ہمسایہ کو تنگ نہ کرو ❀
- 95 پڑوسی کو تکلیف دینے والا جنت نہ جائے گا ❀
- 95 پڑوسی کے بارے میں جبرائیل کی مسلسل وصیت اور تاکید ❀
- 99 دین الہی خیر خواہی کا نام ہے ❀
- 102 تین آدمیوں کی عزت کرنے کا ذکر ❀
- 106 یتیموں سے شفقت کرنا ❀
- 108 یتیموں کو کھانا کھلانا ❀
- 110 مسلمان کو بے عزتی سے بچانا ❀



عرضِ ناشر

سبب تالیف

شیخ الاسلام حضرت مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری مرحوم کا اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں کیونکہ آپ کو دینی اور علمی حلقہ میں دنیا جانتی ہے آپ کا جریدہ ”ہفت روزہ اہلحدیث“ تقریباً نصف صدی سے اندرون دیرون ملک دینی و ملکی خدمت کے لیے مصروف کار رہا ہے اسی جریدہ کی جلد نمبر: ۲۶ شمارہ نمبر: ۴۱ ۱۹ اگست ۱۹۲۹ء بمطابق ۳ ربیع الاول ۱۳۴۸ھ میں ایک مضمون بعنوان اربعین ثنائیہ شائع ہوا تھا یہ مضمون لوگوں کی نظروں سے اخبار کی فائلوں میں پردہ اخفاء میں محفوظ تھا، میرے عم محترم حضرت مولانا محمد سلطان عازم بٹیکہ نے جب اس مضمون کو دیکھا تو خیال پیدا ہوا کہ یہ اربعین افادہ عام کے لیے برسر عام لائی جائے تاکہ عام لوگوں کو فائدہ ہو اور مؤلف مرحوم اور بندہ عاجز (عم محترم) کے لیے باقیات صالحات میں شمار ہو جائے۔

اس خیال سے میرے عم محترم نے ان چالیس احادیث کو جمع کیا اور احادیث کے مضمون کے مطابق عنوانات قائم کیے اور قارئین کی سہولت کے لیے احادیث پر اعراب بھی لگا دیے اور ترجمہ وہی رکھا جو مرحوم نے لکھا تھا۔

اور اربعین کے شروع میں مختصر عربی خطبہ بھی لکھ دیا اور ”اربعین ثنائی“ کے لکھنے کے اسباب جو شیخ مرحوم کے قلم سے مرقوم تھے وہ بھی ساتھ ہی شامل کر دیے اور ”اربعین ثنائی“ کو ایک رسالہ کی صورت میں اپنے خرچ پر طبع کروادیا۔

یہ رسالہ دیکھ کر مجھے شوق پیدا ہوا کہ میں بھی اس سلسلہ میں اپنی حقیر سی خدمت پیش کر دوں، چنانچہ میں نے ان چالیس احادیث کی مختصر شرح لکھی جو طبع ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا امرتسری رحمہ اللہ اور میرے عم محترم اور مجھ عاجز کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے اور ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

العبد العاجز

محمد علی جانباز

نومبر ۲۰۰۷ء

حضرت مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ علیہ

شیخ الاسلام مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری مرحوم و مغفور ماضی قریب کی ایک ایسی عظیم اور عبقری شخصیت تھے جن کی نظیر حال خال ہی منصف شہود پر جلوہ گر ہوتی ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے علوم و فنون کے اندر گہری بصیرت، ژرف نگاہی، حزم و تدبر، مومنانہ فراست، دور اندیشی، معاملہ فہمی، جفا کشی، صبر و حلم، نرم گفتاری، شرف کلامی، زور خطابت اور جولانی قلم کی بے پایاں خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک ایسے جوہر بے بہا سے بھی نہایت فیاضی کے ساتھ نوازا تھا جو آپ کو آپ کے تمام ہم عصروں سے ممتاز کرتا تھا اور یہ جوہر تھا شریعت مطہرہ کے حفظ و دفاع کے لیے اہل باطل کے پرفریب دلائل، دجل آمیز تحریقات اور جھوٹے و غلط دعوؤں کا ابطال و استیصال کا۔

مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ جون ۱۸۶۸ء بمطابق ۱۲۷۷ھ کو امرتسر میں پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام خضر تھا۔ مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ سات سال کے تھے کہ سایہ پدری سے محروم ہو گئے، آپ کے بڑے بھائی ابراہیم تھے جنہوں نے آپ کو رنوغری پر لگادیا، چودہ سال کے ہونے کے والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔

تحصیل علم:

۱۳ سال کی عمر میں مولانا کو پڑھنے کا شوق پیدا ہوا اور آپ مولانا احمد اللہ رئیس امرتسر کے مدرسہ تائید الاسلام میں داخل ہو گئے اور درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

ان دنوں وزیر آباد میں اُستاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان رحمۃ اللہ علیہ محدث وزیر آبادی کا درس جاری تھا، آپ امرتسر سے وزیر آباد پہنچے اور مولانا حافظ عبدالمنان رحمۃ اللہ علیہ سے تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں تحصیل حاصل کی۔

وزیر آباد سے تکمیل علم کے بعد آپ دہلی حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور استاد کی سند دکھا کر آپ سے اجازت تدریس حاصل کی۔ دہلی سے آپ سہارن پور مدرسہ مظاہر العلوم میں پہنچے، اس مدرسہ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد دیوبند تشریف لے گئے، دیوبند میں آپ نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ (اسیر مالٹا) سے علوم عقلیہ و نقلیہ اور فقہ و حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

فراغت کے بعد:

کان پور سے تحصیل علم کے بعد مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن امرتسر واپس آ گئے اور مدرسہ تائید الاسلام میں جہاں سے آپ نے تعلیم کا آغاز کیا تھا درس و تدریس پر مامور ہو گئے اور ۶ سال تک آپ وہیں پڑھاتے رہے۔

مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ آغاز عمر ہی سے مختلف مذاہب اور مکاتب فکر کے عقائد و خیالات کی تحقیق و تنقیح کا عمدہ ذوق رکھتے تھے، اس لیے آپ نے تدریسی و تصنیفی مصروفیات کے باوجود اہل باطل کی تردید و بیخ کنی کا بیڑا اٹھایا، چنانچہ آپ اپنے اس مشن میں پوری طرح کامیاب و کامران ہوئے آپ نے جس فضا میں آنکھ کھولی تھی اس میں اسلام کے تین دشمن اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام پر حملہ آور نظر آ رہے تھے۔

۱۔ آریہ:

آریہ سماج نے ملک میں انتشار پھیلا رکھا تھا، آئے دن اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف دل آزار کتابیں شائع کرتے رہتے تھے اور سر زمین ہند سے اسلام کا نام و نشان مٹا دینے کا عزم رکھتے تھے۔

۲۔ عیسائی:

عیسائی جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں مکمل سیاسی غلبہ حاصل کر لینے کے بعد اسلامی افکار

عقائد اور تمدن و ثقافت کے خلاف انتہائی جارحانہ رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ ان کے پادری بر
مغیر میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک دندناتے پھرتے تھے اور ان کی تحریری
نقدی جارحیت سے مسلم قوم بلبلارہی تھی۔

۳۔ قادیانی:

قادیانی جو سامراج کا خود کاشتہ پودا تھا اور جن کے سربراہ اکبر مرزا غلام احمد قادیانی
کے تازہ ہتازہ دعوئے مسیحیت سے اسلامی حلقوں میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔
ان تینوں طبقوں کے علاوہ شیعہ، بدعتی اور اسلام سے نسبت رکھنے والے اور کئی متعدد
ہتے تھے جنہوں نے اسلام کے دفاعی مورچے میں خانہ جنگی کی کیفیت برپا کر رکھی تھی۔
ولانا مرحوم نے تحصیل علم کے بعد میدانِ جہاد میں قدم رکھا اور زندگی بھر نہایت کامیابی
سے اسلام کی جنگ لڑتے رہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی، اور قلم
اٹھانے کی جسارت کی ان کے حملے کو روکنے کے لیے مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ
کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمات میں انہوں نے عمر
بسر کر دی۔“

صانف:

مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ امرتسری نے مختلف موضوعات پر جو کتابیں لکھیں ان کی کل تعداد
تقریباً ۱۷ ہے ان میں س چند ایک قابل ذکر یہ ہیں:

① تفسیر ثنائی (اردو) ② تفسیر القرآن بکلام الرحمن (عربی)

③ فتاویٰ ثنائیہ ④ اربعین ثنائیہ

- (5) فضائل النبی ﷺ
(6) شریعت اور طریقت
(7) برہان القرآن
(8) اسلام اور مسیحیت
(9) عید میلاد کی شرعی حیثیت
(10) حق پرکاش بجواب ستیا رتھ پرکاش

ہفت روزہ اہلحدیث:

ہفت روزہ اہلحدیث مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ نے ۱۳ نومبر ۱۴۰۳ء جاری کیا اور یہ اخبار مسلسل چوالیس سال تک باقاعدہ جاری رہا۔ یہ اخبار کسی جذبے کے تحت جاری ہوا تھا، مولانا مرحوم خود فرماتے ہیں:

”جب مذہبی تبلیغ کی ضرورت روز بروز بڑھتی نظر آئی اور تصنیف کتب کا کام

نا کافی ثابت ہوا تو اخبار اہلحدیث جاری کیا گیا، جس میں ہر غلط خیال کی

اصلاح کی جاتی اور غیر مسلم کے حملہ کا جواب دیا جاتا ہے۔“

اس کا آخری شمارہ ۳ اگست ۱۹۴۷ء کو شائع ہوا، اس اخبار نے اسلام کی

اشاعت اور ادیان باطلہ کی تردید میں نمایاں خدمات سر انجام دیں۔

ہجرت

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب پاکستان معرض وجود میں آیا مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ ۱۳ اگست

۱۹۴۷ء کو ہی ہجرت کر کے ملک کی آزادی میں اپنے اکلوتے بیٹے مولوی عطاء اللہ کی قربانی

دے کر لاہور تشریف لائے، لاہور میں کچھ دن قیام کے بعد گوجرانوالہ میں مولانا محمد

اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے ہاں ٹھہرے اور جنوری ۱۹۴۸ء میں گوجرانوالہ سے سرگودھا تشریف

لے گئے۔

وفات:

بیٹے کی شہادت اور قیمتی کتب کی بربادی سے آپ بہت نڈھال ہو گئے تھے اور ان

عدموں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳ فروری ۱۹۴۸ء کو آپ پر فوج کا حملہ ہوا اور کچھ روز بعد ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کی صبح عوام اسلامیہ کا درخشاں اور چمکتا دھماکا آفتاب و مہتاب سرگودھا کی سرزمین میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔



مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

ابو الوفاء مولانا ثناء اللہ امرتسری ۱۸۶۸ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ کا جدی وطن کشمیر تھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ خضر تھا جو پشیمین کا کاروبار کرتے تھے۔ آپ کے والد محترم ۱۸۶۰ء میں ڈوگرہ راج کی ستم ظریفیوں سے تنگ آکر بغرض تجارت امرتسر چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری چودہ برس کی عمر میں والد ماجد کے سایہ شفقت سے محروم ہو گئے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے علوم دینیہ حاصل کرنے کے لیے بڑی محنت شاقہ اور جانفشانی سے کام کیا۔ آپ نے بہت سے شیوخ اور محدثین وقت سے کسب فیض کیا۔ جن میں سے سرفہرست مولانا غلام رسول قاسمی، مولانا احمد اللہ، حضرت الشیخ امرتسر، مولانا احمد حسن کانپوری، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی اور استاد المحدثین محدث میاں نذیر حسین دہلوی کا نام شامل ہے۔

آپ ممتاز عالم دین، مناظر اور مفسر قرآن تھے آپ نے اپنے مسلک کی ترویج اور فروغ کے لیے تمام تر زندگی وقف کر رکھی تھی۔

مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری نے اخبار المحدثین جاری کیا اور بہت سی کتابیں لکھیں، فن مناظرہ میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے سینکڑوں کامیاب مناظرے کیے۔ آپ کی شہرہ آفاق تصانیف میں سے تفسیر القرآن بکلام الرحمن (عربی) اور دوسری تفسیر تفسیر ثنائی (اردو) ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری تقسیم ملک کے بعد سرگودھا میں مقیم ہوئے اور تاحیات اسی جگہ کو

اپنا مسکن بنائے رکھا۔ اور بالآخر ۱۹۴۸ء کو بعارضہ فاج پیغام اجل کو سینے سے لگائے اس دنیا فانی سے رخصت ہو گئے۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

طالب دعا

محمد اشتیاق جامعہ رحمانیہ

سیالکوٹ

اپریل ۲۰۰۸ء

حدیث اربعین اور اربعینات کا تعارف

جمع و حفاظت قرآن مجید کے بعد احادیث نبویہ اور سنن رسول اللہ ﷺ کے جمع و ضبط، حفاظت و صیانت پر جن احوال و ظروف اور ارشادات خاتم الانبیاء نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کو آمادہ کیا ہے ان میں ان بشارتوں کا بھی ایک خاص مقام ہے جن کی وجہ سے علماء امت کے لیے صحرائے احادیث کے سنگ پاروں اور بحر آثار کے قطروں کو محفوظ کرنا ایک اہم علمی و فقیہ اور دینی خدمت بن گیا۔ مثلاً نضر اللہ عبداً سمع مقاتلی فحفظها ووعاها واداعا... الخ. اور نضر اللہ امرأ سمع منا شیئاً فبلغه کما سمع... الخ. اور من حفظ علی امتی اربعین حدیثاً من امر دینہا بعثہ اللہ یوم القیامۃ فی زمرة الفقہاء والعلماء وغیرہا۔

نبی رحمت ﷺ نے چالیس حدیثوں کے حفظ و نقل پر جو عظیم بشارت دی ہے اس کے پیش نظر خیر القرون ہے اب تک بے شمار لوگوں نے احادیث کی حفاظت کی اور زبانی یا تحریری طریقہ سے دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ چنانچہ فن حدیث کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ کتب احادیث کے اقسام میں محدثین نے ایک خاص قسم ”اربعینات“ بھی ذکر کی ہیں ان اربعینات کا تعارف پیش کرنے سے قبل مذکورہ بالا حدیث اربعین کے کچھ متعلقات ذکر کرنا مناسب اور مفید ہوگا۔

یہ حدیث امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ کے بقول کئی صحابہ کرام، حضرت علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہم سے مختلف الفاظ کے ساتھ کئی طرق سے مروی ہے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ”كنت له يوم القيامة شفيعاً وشهيداً“ ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ”قيل له

ادخل الجنة من أى أبواب الجنة شئت“ آیا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ”کتب فی زمرۃ العلماء وحشر فی زمرۃ الشهداء“ منقول ہے۔ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ”ادخلته يوم القيامة فی شفاعتی“ وارد ہے۔ نیز بعض روایات میں ”اربعین حدیثا من السنة یا من سنتی“ کا لفظ ہے۔ اور بعض میں ”من حفظ علی امتی“ کے بجائے ”من حمل من امتی“ کا لفظ پایا جاتا ہے۔ [جامع الصغیر للنسوی، الاربعین للنووی]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تیرہ (۱۳) صحابہ کرام سے وارد ہوئی ہے۔ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”کتاب العلل“ میں ان تمام کی تخریج کی ہے، اور امام منذری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے۔ [تلخیص ص ۲۶۹]

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ صاحب ”فیض القدر“ میں حدیث کے الفاظ مختلفہ کے مابین جمع و تطبیق یا حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اربعین کے حفظ کرنے والے قیامت کے دن مختلف المراتب ہوں گے بعض کا حشر زمرۃ شہداء میں اور بعض کو علماء میں اور بعض کو بحیثیت فقیہ و عالم اٹھائیں گے اگرچہ وہ دنیا میں ایسا نہیں تھا۔ [شرح اربعین لابن دقیق العید]

حدیث اربعین کا حکم:

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ”جامع الصغیر“ میں بحوالہ ابن النجار اس حدیث کو نقل کر کے اس پر صحیح کی علامت لگائی ہے۔ مگر یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ تمام محققین کا اتفاق ہے کہ یہ خبر اپنے جمع طرق کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ قال ابن حجر..... ثم جمعت طرقه فی جزء لیس فیہ طریق سلیم من علة قادحة. [فیض القدر] واتفق الحفاظ علی أنه حدیث ضعیف وان کثرت طرقه. [اربعین للنووی]

مگر چونکہ فضائل میں عمل بالضعیف درست ہے خصوصاً جبکہ کثرت طرق وغیرہ امور

سے حدیث میں قوت آ جاتی ہے۔ وقد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحديث
الضعیف فی فضائل الأعمال۔ [اربعین للنووی] قال ابن عساکر: الحديث روى عن
علی وابی سعید باسانید فیہا کلہا مقال لیس للتصحیح فیہا محال لکن
کثرة طرقہ تقویہ۔ [فیض القدیر ۶/۱۵۴] یہی وجہ ہے کہ فضیلت و ثواب کی تحصیل
اور سعادت اخروی کے حصول کی خاطر علمائے امت نے اربعین پر اتنی تصنیفات و تالیفات
کی ہیں کہ لاتعد ولا تحصى۔

عمل بالاربعین کی لطیف صورت:

علامہ منادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح حدیث زکوٰۃ ربع عشر بقیہ مال کی تطہیر پر
دلالت کرتی ہے اسی طرح ربع عشر پر عمل بقیہ احادیث کو غیر معمول بہا ہونے سے خارج کر
دیتا ہے۔ چنانچہ بشرحانی فرماتے تھے اے اصحاب حدیث! ہر چالیس میں سے ایک حدیث
پر عمل کرلو۔ [شرح اربعین لابن دقیق العید]

کتب اربعین مطبوعات کی تعداد:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اس سلسلہ میں عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ
نے تصنیف کی ہے پھر محمد بن اسلم طوسی رحمہ اللہ عالم ربانی نے پھر حسن بن سفیان نسائی نے اور
امام ابوبکر آجری، ابوبکر اصفہانی، دارقطنی، حاکم، ابونعیم اور ابو عبد الرحمن سلمی وغیرہم متقدمین
و متاخرین کی بڑی تعداد نے تصنیف کی ہے۔ نیز ہر ایک کے اغراض و مقاصد مختلف اور طرز
انتخاب بھی جدا گانہ ہے کسی نے اصول دین کے مضمون کو بنیاد بنایا، کسی نے فروغی مسائل
سے تعرض کیا۔ کسی نے جہاد میں حصہ لیا تو کسی نے زہد اختیار کیا۔ اور کسی نے آداب زندگی
کو مطمع نظر رکھا تو کسی نے خطبہ کو موضوع بنایا۔ بعض نے اختصار و ایجاز کا طریقہ اختیار کیا
تو بعض نے جوامع الکلم کو غاہر و روشن کیا۔ بعض نے صحیح احادیث کا التزام کیا تو بعض

نے حسن و ضعیف روایت کو بھی جگہ دی۔ حتیٰ کہ بعض نے صرف اس کا اہتمام کیا کہ احادیث طعن و قدح سے سالم و محفوظ ہو خواہ کسی بھی مضمون سے متعلق ہو۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ بعض لوگوں نے جدت طرازی، غرابت پسندی اور تلقین مزاجی کا بھی ثبوت دیا ہے جس سے پڑھنے والوں کو علمی بالیدگی، ذہنی نشاط اور قلبی انشراح کا ہونا ظاہر ہے تاکہ سنت پر عمل کا داعیہ پیدا ہو غرضیکہ جس نے بھی امت کی نفع رسانی کے لیے چالیس احادیث ان تک پہنچائی اور خود بھی ان پر قائم اور عمل پیرا ہوا وہ ان شاء اللہ اس فضیلت کا مستحق ہوگا۔

[فیض القدیر ج ۶، اربعین نووی]

صاحب کشف الظنون علامہ مصطفیٰ بن عبد اللہ معروف بکاتب جلی متوفی ۱۰۶۷ھ نے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے زمانہ تک کے مشاہیر علماء میں سے تقریباً ۷۵ علماء کی فہرست (۹۰) سے زائد اربعینات کا ذکر کیا ہے ان میں سے یہاں چند کا تعارف ان کی مختلف الحجۃ موضوع کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ اربعین لابن المبارک التوفی ۱۸۱ھ: امام نووی فرماتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق یہ پہلی اربعین ہے جو تصنیف کی گئی ہے۔

۲۔ اربعین لابی بکر البیہقی: امام ابو بکر شمس الدین احمد بن حسین الشافعی البیہقی متوفی ۴۵۸ھ کی تصنیف ہے اس میں سوا حدیث اخلاق کو ۳۰/ ابواب پر مرتب فرمایا ہے۔

۳۔ اربعین الطائی: ابو الفتوح محمد بن محمد بن علی الطائی الہمدانی متوفی ۵۵۵ھ کی ہے اس میں مصنف نے اپنی مسوعات میں سے چالیس حدیثیں چالیس شیوخ سے املاء کرائی ہیں اس طرح سے کہ ہر حدیث الگ صحابی رضی اللہ عنہ سے ہے پھر ہر صحابی رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات ان کے فضائل اور ہر حدیث کے فوائد مشتملہ الفاظ غریبہ کی تشریح اور پھر چند مستحسن جملے ذکر کئے ہیں اس کتاب کا نام اربعین فی ارشاد السائرین الی منازل

الیقین رکھا بقول علامہ سمعانی کتاب بہت خوب اور عمدہ ہے جس کا تعلق علوم حدیث، فقہ ادب اور وعظ سے ہے۔

۴۔ اربعینات لابن عساکر: ابوالقاسم علی بن حسن الدمشقی الشافعی المتوفی ۵۷۱ھ نے کئی اربعین لکھی ہیں: (۱) اربعین طوال (۲) اربعین فی الابدال العوال (۳) اربعین فی الاجتہاد فی اقامۃ الحدود (۴) اربعین بلدانیہ۔ اربعین طوال میں چالیس ایسی طویل حدیثیں جمع کی ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل کو بھی بتلاتی ہیں۔ ساتھ ساتھ ہر حدیث کی صحت و سقم کو بھی ظاہر کیا ہے۔

۵۔ اربعین بلدانیہ: ابو طہر احمد بن محمد السلفی الاصبہانی متوفی ۵۷۶ھ نے چالیس حدیثیں چالیس شیوخ سے چالیس شہروں میں جمع کی ہیں۔ ابن عساکر نے ان کی اتباع میں ایسی بھی ایک اربعین لکھی اور اس پر یہ اضافہ کیا کہ ان حدیثوں کو چالیس صحابہ کرام سے چالیس بابوں میں ذکر کیا۔ چونکہ ہر حدیث کے مالہ و ماعلیہ پر کلام بھی کیا ہے۔ اس سے ہر باب کو یا مستقل کتابچہ بن گیا ہے۔

۶۔ اربعین فی اصول الدین: امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس کو اپنے فرزند محمد کے لیے تصنیف کیا تھا جسے علم کلام کے چالیس مسائل پر مرتب کیا ہے۔

۷۔ الاربعین فی اصول الدین: ابو حامد محمد بن محمد الغزالی رحمہ اللہ کی ہے، جو تصوف کے مسائل پر مشتمل ہے۔

۸۔ الاربعین: موفق الدین عبداللطیف بن یوسف الحکم الفیلوف البغدادی متوفی ۶۲۹ھ نے طب نبوی پر جمع کیا ہے۔

۹۔ الاربعین: محمد بن احمد الیمینی البطال متوفی ۶۳۰ھ نے اس میں صبح و شام کے اذکار ذکر کئے ہیں۔

۱۰۔ الاربعین المختارہ فی فضل الحج والعمرة والزیارة: حافظ جمال الدین الاندلسی متوفی ۶۶۳ھ

کی ہے (اس نوع کی ایک اربعین شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی بھی ہے۔)

۲۲۔ اربعین للنووی: ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی الشافعی متوفی ۶۷۶ھ نے

تالیف کی ہے اس میں امام نووی نے متقدمین علماء کے مقاصد منفردہ کو یکجا کر دیا ہے

یعنی ایسی حدیثوں کا انتخاب فرمایا ہے جو دین و شریعت کے اصول اور بنیاد ہیں

اور اعمال و اخلاق کی اساس اور تقویٰ و پاکیزگی کے لیے مددگار ہیں نیز صحت کا بھی

التزام کیا ہے بلکہ اکثر احادیث صحیحین سے ماخوذ ہیں۔ آخر میں اربعین پر دو کا اضافہ

کر کے غالباً ان عدد الاربعین للتکثیر لا للتحدید کی طرف اشارہ کر دیا۔

چونکہ یہ اربعین جامع المقاصد تھی اس لیے بعد کے علماء فحول نے اس کی تشریح و توضیح

کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی ہے علامہ حلی نے تقریباً ۲۰ شارحین کا ذکر کیا ہے

جن میں ایک علامہ ابن حجر عسقلانی بھی ہیں جنہوں نے احادیث کی تخریج کی ہے

اس کی ایک عمدہ شرح علامہ ابن دقیق العید کی بھی ہے مگر ”کشف الظنون“ میں اس

کا ذکر نہیں ہے۔

۱۲۔ اربعین لابن الجزری: شمس الدین محمد بن محمد الجزری الشافعی متوفی ۸۳۸ھ نے اس

میں ایسی چالیس حدیثیں ذکر کی ہیں جو اصح، اوضح اور اوجز ہیں۔

۱۳۔ اربعینات للسيوطی: علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السيوطی متوفی ۹۱۱ھ نے کئی

اربعین تالیف کی ہیں ایک فضائل جہاد میں، ایک رفع الیدین فی الدعاء میں۔ ایک

امام مالک کی روایت سے۔ ایک روایت متباہنہ میں۔

۱۴۔ اربعین عدلیہ: شہاب الدین احمد بن حجر الہی متوفی ۹۷۳ھ نے اپنی سند سے ایسی

چالیس احادیث جمع کی ہیں جو عدل و عادل سے متعلق ہیں۔

۱۵۔ الاربعین عشاریات الاسناد: قاضی جمال الدین ابراہیم بن علی قسطنطینی الشافعی متوفی ۹۶۰ھ نے تصنیف کی ہے اس میں انہوں نے ایسی چالیس روایات املاء کرائی ہیں جو سند کے اعتبار سے عالی ہیں حسن کے درجہ تک نہیں پہنچتی ہیں۔

۱۶۔ اربعین لابن العربی: محی الدین محمد بن علی متوفی ۶۳۸ھ نے اسے مکہ میں جمع کیا اس شرط کے ساتھ کہ اس کی سند اللہ تبارک و تعالیٰ تک پہنچتی ہے (یعنی بواسطہ رسول اللہ ﷺ) پھر اس کے بعد اور چالیس روایتیں اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہیں اس طرح کہ اس کی سند بغیر رسول اللہ ﷺ کے واسطہ کے اللہ تک پہنچتی ہے۔

۱۷۔ اربعین طاش کبریٰ زادہ: احمد بن مصطفیٰ متوفی ۹۶۸ھ نے اس میں ایسی چالیس حدیثیں ذکر کی ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے بطور مزاح و دل بستگی کے صادر ہوئی ہیں۔

۱۸۔ اربعین یمانیہ: محمد بن عبد الحمید القرشی رضیہ کی ہے جو یمین کے فضائل پر مشتمل ہے۔

۱۹۔ اربعین لخویشاوند: ابوسعید احمد بن الطوسی کی ہے اس میں فقراء اور صالحین کے مناقب میں ۴۰ احادیث بیان کی ہیں۔

۲۰۔ اربعین قدسیہ: حسین بن احمد بن محمد السمریزی نے ایسی احادیث کا انتخاب کیا ہے جن کا تعلق اسرار عرفانی اور علوم لدنی سے ہے پھر صوفیاء کے مذاق کے مطابق اس کی شرح کی ہے اور ساتھ ساتھ چالیس حدیث قدسی مع شرح کے اضافہ کیا ہے اس کتاب کا نام ”مفتاح الکوز و مصباح الرموز“ ہے۔

۲۱۔ ۲۲۔ الاربعین فی فضائل عثمان رضی اللہ عنہ، الاربعین فی فضائل علی رضی اللہ عنہ: یہ دونوں ابوالخیر رضی اللہ عنہ کی ہیں۔

۲۳۔ الاربعین فی فضائل العباس رضی اللہ عنہ: ابوالقاسم حمزہ بن یوسف السہمی الجرجانی متوفی ۴۲۷ھ کی ہے۔

۲۴۔ اربعین عالیہ: شیخ الاسلام حافظ احمد بن حجر العسقلانی الشافعی متوفی ۸۵۲ھ کی ہے اس میں انہوں نے صحیحین میں سے ایسی چالیس حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں مسلم کی سند بخاری کی سند سے عالی ہے اس کے علاوہ اربعین متباینہ اور اربعین نووی کی تخریج وغیرہ بھی ہے۔

۲۵۔ الاربعین الالبیہ: حافظ ابوسعید خلیل بن کیکل دی متوفی ۷۶۱ھ نے کئی اربعینات تالیف کی ہیں ایک یہی جو تین جزؤں میں ہے، دوسری اربعین فی اعمال المتقین ۴۶ اجزاء میں اور الاربعین المصنوعہ ۱۲ اجزاء میں ہے۔

امیر المومنین فی الحدیث حضرت ابن المبارک کی اربعین سے لے کر اب تک ذخیرہ اربعینات میں سے صرف چند ایک کا تعارف پیش کیا گیا ہے استعیاب مقصود نہیں ہے۔



علمائے برصغیر کی اربعینات

ذیل میں ان اربعینات کا ذکر کیا جاتا ہے جن کو علمائے برصغیر نے تالیف کیا ہے۔

۱۔ اربعین: مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ نے ایسی چالیس احادیث کا انتخاب فرمایا ہے جو قلیل المبانی و کثیر المعانی یعنی جوامع الکلم کے قبیل سے ہیں۔ شاہ صاحب کی اس اربعین کا منظوم ترجمہ مولانا ہادی علی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے جو تنخیر کے تاریخی نام سے موسوم ہے۔ یہ اربعین رسالہ ”المسلسلات“ میں شامل ہو کر مطبوع ہے۔

۲۔ اربعین ثنائی: حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی جمع کردہ ہے۔

۳۔ اربعین ابراہیمی: یہ اربعین حضرت مولانا محمد ابراہیم میرسیا لکوٹی نے لکھی ہے۔ حضرت مولانا عبدالجید سوہدوردی نے اس کی ایک شرح لکھی ہے جو مطبوع ہے۔

۴۔ فضائل چہل احادیث: مولانا ابراہیم یوسف باوا، صدیقی ٹرسٹ کراچی۔

۵۔ أربعة وأربعون حديثاً: مترجم مولانا محمد علی، ثنائی برقی پریس لاہور۔

اس مجموعے میں چالیس چالیس احادیث چار حصوں میں درج کی گئی ہیں جس کے مرتب ابوالسحاق محمد عجمی ہیں، اس میں کل ایک سو ساٹھ احادیث شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کے احکام کے بارے میں بیان کی گئی ہیں۔

۶۔ جہاد اور مجاہدین کے فضائل: مفتی اسرار احمد، صدیقی ٹرسٹ کراچی۔

۷۔ چالیس احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: مولانا اصغر علی شاہ، مرکزی تنظیم تحفظ مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، لاہور۔

۸۔ چالیس احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: مولانا بشیر احمد ملک، کنز الایمان سوسائٹی، لاہور۔

اس مجموعے میں مختلف عنوانات کے حوالے سے ایسی احادیث جمع کی گئیں ہیں جن

میں رسول اللہ ﷺ نے زندگی کا وہ سیدھا، صحیح، آسان اور روشن راستہ بتایا ہے جس پر چل کر ہم دنیا میں مسرت، راحت، سکون، فلاح، اور خوش حالی کی بلندیوں پر پہنچ سکتے ہیں اور آخرت میں بھی خالق کائنات کے سامنے سرخرو ہو سکتے ہیں۔

۹۔ چہل حدیث مدنی: محترمہ بیگم نسیم مدنی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی (پاکٹ سائز)۔

۱۰۔ چہل حدیث وفود نہ نام مبرحم: مولانا چراغ دین، اسلامیہ سٹیم پریس، لاہور۔

۱۱۔ چہل حدیث شریفہ: محترمہ راشدہ پروین، صدیقی ٹرسٹ، کراچی (پاکٹ سائز)۔

اس مجموعے میں نماز کے مسائل خصوصی طور پر بچوں کو سکھانے کے لیے جمع کیے گئے ہیں اور آخر میں چالیس مسنون دعائیں درج کی گئی ہیں۔

۱۲۔ چہل حدیث: محترمہ رخسانہ عثمانی، مکتبہ طارق اکیڈمی، ڈی گراؤنڈ، سموسہ چوک، فیصل آباد۔

۱۳۔ سخنان تابناک: مولانا رضا، ادارہ امور فرہنگی آستان قدس، سازمان چاپ مشہد۔

۱۴۔ اربعین رضویہ: مولانا روح الامین قادری، انجمن جاں نثارانِ مصطفیٰ ﷺ، شورکوٹ۔

اس مجموعے میں ایسی احادیث جمع کی گئیں ہیں جن کے مطالعہ سے نبی مکرم ﷺ کے فیضان کے حصول کے علاوہ عقائد اور دین کے اہم مسائل کے بارے میں خاطر خواہ معلومات حاصل ہوں گی۔

۱۵۔ ہدیۃ المسلمین فی جمع الاربعین من صلوة خاتم النبیین: مولانا حافظ

زبیر علی زئی رحمہ اللہ، مکتبہ السنۃ الدار السلفیہ لنشر التراث الاسلامی، ۱۸ سفید مسجد، سوکبر بازار، کراچی۔

اس مجموعے میں رسول اللہ ﷺ کی چالیس مستند حدیثیں مع فوائد و تشریحات جمع کی گئی ہیں یہ کتاب ابو یوسف محمد شریف کے مجموعہ چالیس احادیث بعنوان ”اربعین حنفیہ“ کے جواب میں ہے جس میں نماز کے بارے میں احادیث جمع کی گئی ہیں۔ مولانا زبیر علی

زنی لٹھ کی اس مختصر تالیف مسنون نماز کے بیشتر مسائل کی توضیح کی گئی اور صحیح احادیث کا بطور خاص خیال رکھا گیا ہے۔

۱۶۔ چہل حدیث، صلاۃ وسلام: مولانا زکریا کاندھلوی، خانقاہ چشتیہ صابریہ، میرپور، آزاد کشمیر۔

۱۷۔ اربعین: مولانا ساجد اہلم، فیصل آباد (پاکٹ سائز)۔

۱۸۔ ثلاثہ اربعین سرفرازی: مولانا سرفراز خاں صفدر، کالواں کلاں، گجرات۔

۱۹۔ علم، تعلیم اور تعلم کے بارے چالیس احادیث: مولانا سعید اللہ قاضی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

۲۰۔ مجموعہ چہل حدیث نبویہ: مولانا سلطان محمود سیفی، مدرسہ مفتاح العلوم، فیصل آباد۔
اس مجموعے میں ضروری حدیثیں، عربی عبارت مع اعراب اور آسان اردو ترجمہ شامل ہے۔

۲۱۔ اربعین ولی اللہ: مولانا شاہ ولی اللہ، مترجم عبدالماجد دریابادی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔
شاہ ولی اللہ کا مجموعہ اربعین جو ماہنامہ ”الرحیم“ (حیدر آباد) کے شمارہ نمبر ۱۹۶ء میں شائع ہوا، اس کا ترجمہ وغیرہ کو متن و اضافہ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

۲۲۔ اربعین سیفی: مولانا شہزاد مجددی سیفی، سنی لٹریچر سوسائٹی، ریلوے روڈ لاہور، ۱۹۹۶ء
اس مجموعے میں عقائد و اعمال، حب اللہ و رسولہ ﷺ، اقامت و احیائے سنت کی اہمیت و فضیلت، فضیلت علم و غیرہ پر مشتمل احادیث کو پہلے فارسی میں منظوم کیا گیا پھر اردو زبان میں مختصر تشریح بھی کردی گئی تاکہ خاص و عام دونوں مستفید ہو سکیں۔

۲۳۔ اربعین فاتحہ: مولانا شہزاد مجددی سیفی، سنی لٹریچر سوسائٹی، ریلوے روڈ لاہور، ۲۰۰۱ء
سورۃ فاتحہ جیسی عظیم الشان اور برکتوں بھری سورہ مبارکہ سے متعلق چالیس احادیث

اس میں جمع کی گئی ہیں، ہر حدیث کے ساتھ اردو ترجمہ اور ماخذ کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔

۲۳۔ بستان الاربعین: مولانا محمد صادق سیالکوٹی، مکتبہ نعمانیہ، اردو بازار، گوجرانوالہ۔

اس رسالے میں رسول اللہ ﷺ کی چالیس حدیثوں کے درخشاں ہیرے جگمگ جگمگ کر رہے ہیں، جن کی روشنی سے مسلمانوں کی زندگی کے کئی تاریک پہلو نور کے سانچے میں ڈھل رہے ہیں۔

۲۵۔ بیاض الاربعین: مولانا محمد صادق سیالکوٹی، مکتبہ دارالسلام، الریاض، سعودی عرب، ۱۹۹۳ء

اس کتاب میں معاشرے میں روزمرہ زندگی سے تعلق رکھنے والی چالیس احادیث کا مجموعہ ”بیاض الاربعین“ کے عنوان سے ترتیب دیا گیا ہے جسے قبول عام کا درجہ حاصل ہے۔

۲۶۔ گنج شایگان: مولانا ظفر علی خاں، (۱) مترجم: صادق حسین، دل محمد روڈ، لاہور۔ (۲) صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

مولانا جامی نے چالیس احادیث کا منظوم ترجمہ فارسی میں کیا تھا، مولانا ظفر علی خاں نے انہی احادیث کا ترجمہ اردو نظم میں کیا جو کہ روزنامہ ”زمیندار“ میں ۱۰ دسمبر ۱۹۲۷ء کو ”گنج شایگان“ کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔

۲۷۔ چہل حدیث متعلقہ فضائل جہاد: مولانا مفتی عاشق الہی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

۲۸۔ شرعی پردہ: مولانا مفتی عاشق الہی، مکتبہ خلیل، یوسف مارکیٹ، اردو بازار لاہور۔

اس مجموعہ احادیث میں پردے کے مفصل احکام کے حوالے سے چالیس احادیث شریفہ درج کی گئی ہیں اور ہر حدیث کا متن بنا کر ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے حالات حاضرہ پر تبصرہ کیا ہے اور مسلمانوں کے موجودہ رویہ اور روش کو سامنے رکھ کر بار بار تعلیم نبوی ﷺ کی طرف واپس آنے کی دعوت دی ہے، تقلید یورپ کے جو اثرات و ثمرات مسلمانوں کی معاشرت میں پھیل چکے ہیں، ان کی خرابی پر بار بار متنبہ کیا گیا ہے۔

۲۹۔ چہل حدیث حقوق الوالدین: مولانا مفتی عاشق الہی، مکتبہ خلیل، یوسف مارکیٹ، اردو بازار لاہور۔

۳۰۔ آسان نماز اور چالیس مسنون دعائیں: مولانا مفتی عاشق الہی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔
اس مجموعے میں نماز کے مسائل خصوصی طور پر بچوں کو سمجھانے کی طرز پر جمع کیے گئے ہیں اور آخر میں چالیس مسنون دعائیں درج کی گئی ہیں۔

۳۱۔ آسان نماز اور چالیس مسنون دعائیں: مولانا مفتی عاشق الہی، مکتبہ خلیل، اردو بازار لاہور ۲۰۰۵ء۔

اس مجموعے کے آخر میں چالیس احادیث درج کی گئی ہیں جن میں والدین اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق اور ان کے اکرام و احترام اور خدمت و فرمانبرداری کے فضائل اور نافرمانی و ایذا رسانی کی وعیدیں مذکور ہیں، پورا رسالہ پانچ فصلوں پر مشتمل ہے۔

۳۲۔ چالیس حدیثیں، فضائل رمضان و صیام: مولانا مفتی عاشق الہی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

۳۳۔ گلدستہ چہل حدیث: مولانا مفتی عاصم عبداللہ، جامعہ حمادیہ، کراچی۔

۳۴۔ جوامع الکلم کی چہل حدیث: مولانا مفتی عبدالحکیم، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

۳۵۔ اربعین اشرف: حکیم عبدالرحیم اشرف، طارق اکیڈمی، سموسہ چوک، فیصل آباد۔

اس کتاب میں مصنف نے مختلف عنوانات قائم کر کے اسلامی زندگی کے چند نمونے پیش کیے ہیں، مثلاً اصول اسلام، ملی مسائل، اسلام تمدن، اسلامی معیشت وغیرہ۔ یہ کتاب حجم کے اعتبار سے گو مختصر ہے مگر اس میں جو بیان کردہ معلومات بڑی ہی اہم اور ضروری ہیں اور وقت کا تقاضا ہے کہ اس نوع کی چیزیں، آسان پیرایہ میں لوگوں کو بتائی جائیں۔

۳۶۔ اربعین نبوی ﷺ: عبداللہ شاہین، شیخ جمیل اینڈ سنز، حافظ آباد۔

اس مجموعہ احادیث میں ایسی احادیث جمع کی گئی ہیں جن کا متن مختصر ہے، لیکن وہ

زبردست معاشرتی افادیت کی حامل ہیں تاکہ مسلمان انھیں ازبر کر کے زمرہ علماء میں شامل ہوں۔

۳۷۔ اربعین نبوی: عبداللہ شاہین، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

۳۸۔ نظم القلادة يوم الولادة: عنایت اللہ اثری، آفتاب پریس، لاہور، ۱۹۴۹ء۔

۳۹۔ چالیس ارشاد مبارکہ: عنایت اللہ چشتی، مرکزی تنظیم تحفظ مقام مصطفیٰ ﷺ، لاہور۔

۴۰۔ چہل حدیث رسولِ انام ﷺ: (۱) ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۵۹ء۔ (۲) سنی

لٹریری سوسائٹی، لاہور، ۲۰۰۳ء۔

۴۱۔ توضیح اربعین: فاروق بی اے، چشتی کتب خانہ جھنگ بازار، فیصل آباد۔

۴۲۔ چہل حدیث برائے خواتین اسلام: فیض احمد اویسی، مکتبہ اویسیہ رضویہ، بہاولپور۔

۴۳۔ تعلیم الاسلام: مفتی کفایت اللہ، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، ۱۳۲۲ھ۔

ایسی احادیث جو اعلیٰ اخلاق اور تہذیب و تمدن کے زریں اصول بیان کرتی ہیں۔

۴۴۔ چہل حدیث در فضائل قرآن مجید: مولانا محمد احمد، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

۴۵۔ چہل حدیث در سورتوں کے فضائل: مولانا محمد احمد، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

۴۶۔ صلوة وسلام: مولانا محمد اقبال، ناشر امان اللہ خان، ایبٹ آباد، اسلام آباد۔

۴۷۔ اربعین: مولانا محمد انوری، مکتبہ رشیدیہ، کراچی۔

اس مجموعے میں ختم نبوت، نزولِ عیسیٰ علیہ السلام، مرتد کا حکم حضور ﷺ کو گالی دینے

والے کا حکم اور مسلک حنفی کی مؤید حدیثیں درج کی گئی ہیں۔

۴۸۔ اربعین سلیمانی: حکیم محمد سلیمان (روہڑی والے)، پسرور، سیالکوٹ۔

۴۹۔ اربعین نبویہ ﷺ: محمد شریف، کوٹلی لوہاراں، ضلع سیالکوٹ۔

۵۰۔ اربعین حنفیہ: ابو یوسف، محمد شریف، (۱) سنی لٹریری سوسائٹی، لاہور، ۲۰۰۰ء۔ (۲)

رضا اکیڈمی، لاہور۔ (۳) کتب خانہ ماہ طیبہ، کوئٹہ لوہاراں، سیالکوٹ۔

اس مجموعے میں چالیس حدیثیں دربارہ نماز با حوالہ لکھی گئی ہیں اور نماز کے اختلافی مسائل پر بحث کی گئی ہے۔

۵۱۔ جوامع الکلم یعنی جہل حدیث: مفتی محمد شفیع، مرتب: راحت علی ہاشمی، ادارۃ المعارف، کراچی، ۲۰۰۲ء۔

اس مجموعے میں تعلیم اخلاق کے بارے میں احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے۔

۵۲۔ جوامع الکلم: مفتی محمد شفیع، (۱) دارالحدیث بیرون بوہرگیٹ، ملتان۔ (۲) مکتبہ سید

احمد شہید، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۲ء۔ (۳) مکتبہ الحسن اردو بازار، لاہور، ۱۳۲۲ھ۔

۵۳۔ اربعین تجوید و قراءت: قاری محمد طاہر، مکتبہ اتحید، مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد۔

۵۴۔ الاربعین صلوٰۃ و سلام: مولانا سید نفیس الحسنی، دارالنفائس، کریم پارک، لاہور۔

۵۵۔ اربعین (دعائیں): مولانا سید نور حسین گر جاکھی، ناشر: محمد الیاس، فیصل آباد، (پاکٹ سائز)۔

۵۶۔ تعلیمی جہل حدیث: مولانا سید وحید الدین قاسمی، (۱) فضلی سنز، اردو بازار، کراچی،

۱۹۸۶ء۔ (۲) صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔ (۳) مکتبہ ادب اسلامی، اردو بازار،

لاہور، ۱۹۸۷ء۔

اس مختصر مجموعہ احادیث میں تعلیم کے حصول اور فضائل کے حوالے سے حتی الامکان

چھوٹی چھوٹی آسان احادیث جمع کی گئی ہیں۔

۵۷۔ اربعین، حصہ اول: ہارون احمد چشتی، چشتیہ اکیڈمی، فیصل آباد، ۱۹۹۷ء۔

اس مجموعے میں جو چالیس احادیث شامل کی گئی ہیں، وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں

شامل ہونے کے ساتھ ساتھ، متفق علیہ، کے زمرہ میں آتی ہیں اور بلا مبالغہ ثقہ ترین ہیں۔

- ۵۸۔ اربعین، حصہ دوم: ہارون احمد چشتی، چشتیہ اکیڈمی، فیصل آباد، ۱۹۹۸ء۔
- ۵۹۔ اربعین نووی: امام یحییٰ بن شرف الدین النووی، (۱) مترجم: محمد صدیق ہزاروی، مکتبہ اسلامیہ سعیدیہ، مانسہرہ، ۱۹۸۹ء۔ (۲) مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔ (۳) مترجم: سعید مجتبیٰ سعیدی، دار السلام۔ (۴) مترجم: مفتی عاشق الہی، صدیقیہ دار الکتب، ملتان، ۲۰۰۱ء۔ (۵) مترجم: چودھری عبدالحفیظ و پروفیسر ظفر اقبال، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور۔ (۶) (انگریزی ترجمہ)، مکتبہ دار السلام، الریاض، سعودی عرب، (پاکٹ سائز)۔ (۷) مترجم: ظفر اقبال، دار الاندلس، لاہور، (پاکٹ سائز)۔ (۸) مترجم: مفتی عاشق الہی، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی۔ (۹) مترجم: طارق اکیڈمی، فیصل آباد، ۲۰۰۳ء۔

مترجمین کے بقول:

”علماء، اساتذہ، طلباء کے ساتھ ساتھ عام قاری بھی اس شرح سے مستفید ہو سکتے ہیں، اگر مفصل شرح لکھنے کا ارادہ ہوتا تو ”جامع العلوم والحکمہ“ جیسی شرح کا صرف اردو ترجمہ کر دینا ہی کافی تھا اور اگر مختصر پر اکتفا ہوتا تو جو کچھ مارکیٹ میں دستیاب ہے، وہی کافی تھا۔“

۶۰۔ اربعین حدیث، چہل حدیث یوسفی: مولانا یوسف دہلوی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، (پاکٹ سائز)۔

۶۱۔ چہل حدیث مبارکہ: مولانا یوسف دہلوی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

۶۲۔ ارشادات رسول مقبول ﷺ: مولانا یوسف دہلوی، حضور پرنٹنگ پریس، کوہاٹی بازار، راولپنڈی۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ
وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ.

زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جنت کی بشارت

۱۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا
بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ».

[بخاری: کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، رقم: ۵۹۹۳]

”حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص
مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی ضمانت دے (کہ یہ دونوں غلط استعمال نہ ہوں گی)
تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔“

راوی الحدیث:

آپ کا اسم گرامی سہل بن سعد اور کنیت ابو العباس یا ابو یحییٰ ہے، سلسلہ نسب یوں
ہے: سہل بن سعد بن مالک بن خالد بن ثعلبہ بن حارثہ بن عمرو بن خزرج بن ساعدہ بن
کعب بن خزرج، انصاری اور ساعدی ہیں۔

ان کا پہلے تو نام حزن تھا، آپ ﷺ نے تبدیل کر کے سہل رکھا، رسول اللہ ﷺ کی
وفات کے وقت ان کی عمر پندرہ برس تھی، طویل العمر تھے، حجاج بن یوسف کے زمانہ میں
۸۸ھ میں ۹۶ برس کے ہو کر فوت ہوئے، اور بعض کہتے ہیں: ۹۲ھ میں سو برس کے ہو کر
فوت ہوئے۔

تشریح:

انسانی اعضاء میں زبان کے علاوہ غلط استعمال سے جس عضو کی حفاظت کو خاص اہمیت حاصل ہے وہ انسان کی شرمگاہ ہے۔ اس لیے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ: جو بندہ اس کا ذمہ لے لے کہ وہ غلط استعمال سے اپنی زبان کی بھی حفاظت کرے گا اور شہوتِ نفس کو بھی اللہ کے احکام کا پابند رکھے گا میں اس کے لیے اللہ کی طرف سے جنت کا ذمہ لے سکتا ہوں۔

یہاں پھر یہ بات ملحوظ دینی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس قسم کے ارشادات کے مخاطب وہ اہل ایمان ہوتے تھے جو آپ ﷺ ہی کی تعلیم و تلقین سے اس بنیادی حقیقت کو جان چکے تھے کہ اس قسم کے وعدوں کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جو صاحبِ ایمان ہوں اور ایمان کے بنیادی مطالبات کو بھی ادا کرتے ہوں۔

اسی طرح دوسرے مقام پر نبی مکرم ﷺ نے چھ چیزوں کی ضمانت پر جنت کی ذمہ داری لی ہے حدیث کے الفاظ ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِضْمَنُوا لِي سِتًّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَضْمَنْ لَكُمْ الْجَنَّةَ: أَصْدَقُوا إِذَا حَدَّثْتُمْ، وَأَوْفُوا إِذَا وَعَدْتُمْ، وَأَدُّوا إِذَا أَوْثَمْتُمْ، وَاحْفَظُوا فُرُوجَكُمْ، وَغَضُّوا أَبْصَارَكُمْ، وَكَفُّوا أَيْدِيَكُمْ)).

[أحمد: ۳۲۳/۵، والبیہقی فی شعب الایمان، باب فی الأمانات، رقم: ۵۲۵۶]

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم چھ باتوں کے ضامن ہو جاؤ اور ان کی ذمہ داری لے لو تو میں تمہارے لیے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں (وہ چھ باتیں یہ ہیں) جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو جب کسی سے وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو، جب کوئی امانت تم کو سپرد کی جائے تو اس کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو، اور حرام کاری

سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اور جن چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ان کی طرف سے آنکھیں بند کرو، یعنی کوشش کرو کہ ان پر نظر نہ پڑے، اور جن موقعوں پر ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں ہاتھ روکو (یعنی ناحق کسی کو نہ مارو نہ ستاؤ، نہ کسی کی کوئی چیز چھیننے کے لیے ہاتھ بڑھاؤ وغیرہ وغیرہ)۔“

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لے آیا ہے اور فرائض و ارکان ادا کرتا ہے اور مذکورہ بالا چھ بنیادوں (اخلاق، صدق و امانت وغیرہ) کا بھی اپنے آپ کو پابند بنا لیتا ہے۔ تو پھر یقیناً وہ جنتی ہے اور اس کے لیے اللہ و رسول کی طرف سے جنت کی ضمانت اور بشارت ہے۔

زبان پر قابو رکھو

۲۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللَّهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَرَفَعُ اللَّهُ بِهَا دَرَجَاتٍ وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللَّهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ)).

[بخاری: کتاب الرفاق، باب حفظ اللسان، رقم: ۵۹۹۷]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ جب بندہ اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نکالتا ہے جس میں حق تعالیٰ کی خوشنودی ہوتی ہے تو اگرچہ وہ بندہ اس بات کی اہمیت کو نہیں جانتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے درجات بلند کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب بندہ

کوئی ایسی بات زبان سے نکالتا ہے جو حق تعالیٰ کی ناخوشی کا ذریعہ بن جاتی ہے تو اگرچہ وہ بندہ اس بات کی اہمیت کو نہیں جانتا لیکن وہ بندہ اس کے سبب سے دوزخ میں گر پڑتا ہے۔“

راوی الحدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام کے بارے میں اسماء الرجال کے واقفین کے مابین سخت اختلاف ہے ایسا اختلاف کسی بھی صحابی کے نام میں نہیں ہے۔ ان کے نام کے بارے میں تقریباً تیس قول ذکر کیے جاتے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے ناموں کے اس اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد عبد شمس یا عبد اللہ نام بتلایا ہے اور کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عبد اللہ نام کو ترجیح دی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں عبد الرحمن بن صخر کو ترجیح دی ہے، فرماتے ہیں:

أبو هريرة رضی اللہ عنہ عبد الرحمن بن صخر على الأصح من نحو ثلاثين قولاً.

یہی بات تذکرۃ الحفاظ میں بھی ہے۔

آپ اپنی کنیت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ مشہور ہیں، آپ کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا اس قبیلہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی: اللھم اھد دوسا و اتھم۔ ”الہی! قبیلہ دوس کے لوگوں کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس پہنچا دے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تیس (۳۰) سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے علم کے بڑے حریص تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف علم و دین ہی کا سوال کرتے تھے، ان کی اس صفت کی شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک نے بھی دی ہے، خود کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: من أسعد الناس بشفاعتك يوم القيامة۔ ”اے اللہ کے رسول! آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ کس

خوش نصیب کو فائدہ پہنچے گا؟“ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: لقد ظننت يا ابا هريرة ان يسئلى من هذا الحديث أحد اول منك لما رأيت من حرصك على الحديث أسعد الناس بشفاعتي يوم القيامة من قال لا إله إلا الله خالصا من قلبه. ”ابو ہریرہ! میرا یہی خیال تھا کہ یہ سوال سب سے پہلے تم ہی کرو گے اس لیے کہ میں تمہاری حرص حدیث سے واقف ہوں، اس کے بعد اصل سوال کا جواب ارشاد فرمایا: میری شفاعت سے سب سے زیادہ فائدہ اخلاص قلب کے ساتھ ”لا الہ الا اللہ“ کہنے والے کو ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں سے بھی وافر حصہ ملا تھا، ان کے حافظے کے لیے آپ ﷺ نے بڑے اہتمام سے دعائیں فرمائیں، اسی لیے ان کو محدثین نے احفظ اصحاب محمد ﷺ اور احفظ من روی الحديث فی عصرہ کہا ہے۔ مرض وفات میں جب وقت معلوم ہونے لگا تو رونے لگے کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا: من قلة الراد وشدة المفازة. ”سفر سخت ہے اور زادِ راہ کم ہے“ یہ خوفِ آخرت تھا ورنہ اگر ان کے پاس زادِ راہ کم تھا تو پھر کس کے پاس زیادہ ہوگا؟ خلیفہ مروان عیادت کو آئے اور دعا کی شفاك الله. ”اللہ آپ کو شفا دے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی فوزِ دعا کی: اللہم احب لقاءك فاجب لقائي. ”اے اللہ! میں آپ کی ملاقات کا مشتاق ہوں، آپ بھی میری ملاقات کو پسند فرمائیے۔“ تھوڑی دیر کے بعد اللہ و رسول ﷺ کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینے آنے والا رسول اللہ ﷺ کا یہ مہمان اپنے مالکِ حقیقی کی رحمت کی آغوش میں پہنچ گیا، رضی اللہ عنہ وأرضاه.

سنہ وفات میں بھی اختلاف ہے ۵۷، ۵۸، ۵۹ھ سن وفات ذکر کیے جاتے ہیں۔ ۵۷ھ رائج ہے، وفات کے وقت آپ کی عمر ۷۸ سال تھی ولید بن عقبہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

تشریح:

اس ارشاد گرامی کا حاصل اس بات پر متنبہ کرتا ہے کہ زبان پر ہر وقت قابو رکھو اور اس کے معاملہ کو کم اہم نہ سمجھو نیز اس حقیقت کو کسی بھی لمحہ نظر انداز نہ کرو کہ اگر زبان پر احتیاط کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور یہ چھوٹی سی چیز تمہارے قابو سے باہر ہو گئی تو پھر تمہاری خیر نہیں! چنانچہ اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ بسا اوقات بندہ اپنی زبان سے کوئی بات نکالتا ہے اور اس کو اپنے نزدیک بہت معمولی درجہ کی بات سمجھتا ہے مگر درحقیقت نتیجہ کے اعتبار سے اس بات کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اس کو یوں سمجھو کہ اگر وہ بات حق ہوتی ہے اور اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بنتی ہو تو وہی ذرا سی بات جنت میں اس کی بلندی کا سبب بن جاتی ہے اور اگر وہ بات کہیں ایسی ہوئی جو بری ہونے کی وجہ سے اللہ کی ناراضگی کا سبب بن گئی تو بندے کے حق میں وہی معمولی بات اس کو دوزخ میں گرا دینے کا ذریعہ بن جائے گی۔

مسلمان کی بے حرمتی کا گناہ

۲۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ)).

[بخاری، کتاب الاسان، باب خوف المؤمن، رقم: ۶۶، ومسلم، کتاب الإیمان، باب بیان

قول النبی ﷺ سباب المسلم فسوق وقتاله كفر، رقم: ۱۶۷]

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی مسلمان کو برا کہن فسق ہے اور کسی مسلمان کو مار ڈالنا کفر ہے۔“

راوی الحدیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کے رہنے والے اور اولین اسلام قبول کرنے

والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں، ان کے والد کا انتقال زمانہ جاہلیت ہی میں ہو گیا تھا لیکن والدہ ایمان لے آئیں تھیں اور بلند پایہ صحابیہ تھیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پتلے دبلے جسم کے تھے، رنگ گندمی تھا، ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان کو کسی ضرورت سے درخت پر چڑھایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی دہلی پتلی ٹانگ کو دیکھ کر ہنسنے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا: لرجل عبد اللہ اثقل فی المیزان يوم القيامة من أحد۔ ”اللہ کے نزدیک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ دہلی پتلی ٹانگ بھی اُحد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہے۔“ کپڑے صاف ستھرے پہنتے اور کثرت سے عطر استعمال فرماتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا شمار بڑے اہل فضل و کمال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے، وہ سابقین اولین میں سے ہیں ان کی زندگی کا خاصہ حصہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزرا ہے، سفر و حضر میں آپ کی ذاتی خدمت میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیش پیش رہتے تھے ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے، اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو صاحب النعلین والسواك والوساده یعنی رسول اللہ ﷺ کی ضروریات کا خیال رکھنے والا کہتے تھے، ان کو جو قرب و تعلق آپ ﷺ کی ذات گرامی سے نصیب تھا وہ چند ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو میسر تھا وہ ہمہ وقت آپ ﷺ کے گھر آتے جاتے اور خدمت اقدس میں حاضر رہتے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے بھائی یمن سے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم دونوں بھائی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ کی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بکثرت حاضری دیکھ کر مدت تک یہی سمجھتے رہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے گھر کے ہی ایک فرد ہیں۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا علمی مقام بھی بہت بلند ہے ان کا شمار ان صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے جو اہل فتویٰ اور اہل قضاء سمجھے جاتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن و سنت کا علم حاصل کیا، آپ رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید سے خصوصی شغف اور تعلق تھا۔ قرآن مجید یاد بھی بہت اچھا تھا اور بہت صحیح اور سوز کے ساتھ پڑھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فہمی میں رہے اور کوفہ ہی ان کی دینی اور علمی سرگرمیوں کا مرکز بنا اور یہیں سے ان کے علوم کی نشر و اشاعت ہوئی، حدیث کی کتابوں میں ان کی مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ سے مدینہ بلا لیا تھا۔ مدینہ میں ہی ان کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی اور غالباً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی نے نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً ۶۰ سال تھی۔

تشریح:

کسی مسلمان کے قتل کرنے کو کفر کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی مسلمان اگر کسی مسلمان کو قتل کر دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے بلکہ ارشاد کا مقصد اس بات کو نہایت سختی و شدت کے ساتھ بیان کرنا ہے۔ کہ مسلمان کا ناحق خون بہانا انتہائی سنگین جرم ہے اور جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو قتل کرتا ہے وہ اپنے اسلام کے کامل ہونے کی نفی کرتا ہے گویا یہاں ”کفر“ سے مراد کمال اسلام کی نفی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے ”الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ... الخ“ یعنی کامل مسلمان وہی ہے جس سے دوسرے مسلمان محفوظ و مامون رہیں اور اگر کفر سے اس کے حقیقی معنی مراد ہوں تو اس صورت میں کہا جائے گا کہ وہ مسلمان یقیناً کافر ہو جائے گا جو کسی مسلمان کو اس لیے قتل کر دے کہ وہ مسلمان ہے اور اس کے اسلام کے سبب سے اس کے قتل کرنے کو حلال و مباح جانے کیونکہ کسی مسلمان

بعض اس کے اسلام کی وجہ سے قتل کرنا اور اس کے قتل کو حلال و مباح جاننا بلاشبہ کفر ہے۔

گالی کی پہل کرنے والے پر گناہ

۴۔ عَنْ أَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((الْمُسْتَبَانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِيءِ مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ)).

(مسند کتب سرحدات الشریعہ ص ۱۵۸، رقم: ۱۶۸۸)

”حضرت انس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر دو شخص آپس میں گالی گلوچ کریں تو ان کی ساری گالم گلوچ کا گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے پہل کی ہے جب تک کہ مظلوم تجاوز نہ کرے۔“

راوی الحدیث:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا تعلق مدینہ کے مشہور خاندان قبیلہ خزرج سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے تنہا اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنی نجار سے تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھی، آپ بہت ذہین تھے، آپ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ان انسا غلام کس فلیخدمک۔ ”اے اللہ کے رسول! انس بہت سمجھدار بچہ ہے ہم اس کو آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔“ تو آپ ﷺ نے ان کو اپنی خدمت میں رکھ لیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے نام کے ساتھ خادم رسول اللہ ﷺ کا لفظ لگاتے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی آپ سے بہت محبت تھی کبھی کبھی پیار و محبت میں آپ ﷺ ان کو بابئی! یعنی اے میرے بیٹے! کہہ کر پکارتے تھے۔

ہجرت نبوی ﷺ کے بعد ان کا پورا وقت آپ ﷺ کی خدمت اور صحبت میں گزرا اور انہیں بہت قریب سے آپ ﷺ کے اعمال کو دیکھنے اور اقوال کو سننے کا موقع ملا ہے۔ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۶۷۲ ذکر کی جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بعض حکومتی کاموں کا ذمہ دار بنا کر بحرین بھیجا تھا، آخر میں بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی وہیں ۹۳ھ میں وفات پائی۔ بصرہ میں وفات پانے والے آخری صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ اگر دو شخص آپس میں گالم گلوچ کرنے لگیں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگیں اور ایک دوسرے کے حق میں بدکلامی و سخت گوئی کریں تو اس ساری گالم گلوچ اور برا بھلا کہنے کا گناہ ان دونوں میں سے اس شخص پر ہوگا جس نے گالم گلوچ کی ابتداء کی ہوگی یعنی اس کو اپنی گالم گلوچ کا گناہ تو ہوگا ہی دوسرے شخص کی گالم گلوچ کا گناہ بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا کیونکہ اس نے گالم گلوچ کی ابتداء کر کے گویا دوسرے شخص پر ظلم کیا ہے اور اس اعتبار سے وہ ظالم کہلائے گا اور دوسرا شخص مظلوم لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ دوسرا شخص یعنی مظلوم جواب دینے میں زیادتی نہ کرے اگر مظلوم حد سے تجاوز کر گیا۔ کہ اس کی گالم گلوچ ابتدا کرنے والے کی گالم گلوچ سے بڑھ گئی یا ابتداء کرنے والے نے جو ایذا پہنچائی تھی اس کے جواب میں دوسرے شخص نے اس سے بھی زیادہ ایذا پہنچادی تو اس صورت میں ابتدا کرنے والے کی نسبت اس پر زیادہ گناہ ہوگا بعض حضرات نے لکھا ہے کہ دوسرا شخص بھی اس تعدی اور زیادتی کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

٥. عَنْ حُدَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاتٌ)).

”حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ چغل خور آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔“

راوی الحدیث:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور والد کا نام خلیل اور لقب یمان ہے، باب بیٹا دونوں ہی جلیل القدر صحابی ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ غزوہ اُحد میں شریک ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سر تھے، یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر لانے والوں میں تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس دن بعد ۳۵ھ میں مدائن میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ چغل خوری کی عادت ان سنگین گناہوں میں سے ہے جو جنت کے داخلہ میں رکاوٹ بننے والے ہیں اور کوئی آدمی اس گندی اور شیطانی عادت کے ساتھ جنت میں نہ جاسکے گا ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کو معاف کر کے یا اس کے جرم کی سزا دے کے اس کو پاک کر دے تو اس کے بعد وہ جنت میں داخل ہو سکے گا۔

سچ کی جزا اور جھوٹ کی سزا

۶۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صِدِّيقًا، وَإِيَّاكُمْ وَ الْكُذِبَ فَإِنَّ الْكُذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكُذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَّابًا)).

بخاری: کتاب الأدب، باب قول الله تعالى ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ

صَادِقِينَ﴾ رقم: ۶۰۹۴۔ ومسنو: کتاب البر، باب قبح الکذب، رقم: ۴۷۲۱

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سچائی کو لازم پکڑ لو، اور ہمیشہ سچ ہی بولو کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جب ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے اور سچائی ہی کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ کے ہاں صدیقین میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستے پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جب جھوٹ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کر لیتا ہے تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے ہاں کذابین میں لکھ لیا جاتا ہے۔“

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ سچ بولنا بذات خود بھی نیک عادت ہے اور اس کی یہ خاصیت بھی

ہے کہ وہ آدمی کو زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بھی نیک اور صالح بنا کر جنت کا مستحق بنا دیتی ہے اور ہمیشہ سچ بولنے والا آدمی مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے اسی طرح جھوٹ بولنا بذات خود بھی ایک خبیث خصلت ہے اور اس کی یہ خرابی بھی ہے کہ وہ آدمی کے اندر فسق و فجور کا میاں پیدا کر کے اور اس کی پوری زندگی کو بدکاری کی زندگی بنا کر دوزخ تک پہنچا دیتی ہے نیز جھوٹ کی عادت ڈال لینے والا آدمی کذابیت کے درجے تک پہنچ کر پورا لعنتی بن جاتا ہے۔

جنت اور جہنم میں لے جانے والے کام

۷۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَتَدْرُونَ مَا أَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ؟ تَقْوَى اللَّهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ. أَتَدْرُونَ مَا أَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ؟ الْأَجْوَفَانِ: الْفَمُّ وَالْفَرْجُ)).

[ترمذی: کتاب البر، باب ما جاء فی حسن الخلق، رقم: ۲۰۰۴، وابن ماجہ: کتاب الزہد،

باب ذکر الذنوب، رقم: ۴۲۴۶]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”جانتے ہو لوگوں کو عام طور پر کونسی چیز جنت میں داخل کرتی ہے؟ وہ تقویٰ یعنی اللہ سے ڈرنا اور حسن خلق ہے اور جانتے ہو لوگوں کو عام طور پر کونسی چیز دوزخ میں لے جاتی ہے؟ وہ دو کھوکھلی چیزیں ہیں یعنی منہ اور شرمگاہ۔“

تشریح:

”تقویٰ“ کا سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ شرک سے اجتناب کیا جائے اور سب سے

اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دل میں اللہ کے علاوہ اور کسی ذات کا خیال بھی نہ آنے دیا جائے۔

”حسن خلق“ سے مراد اللہ کی مخلوق کے ساتھ خوش خلقی اختیار کرنا ہے جس کا سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی مخلوق کو کوئی تکلیف و ایذا نہ پہنچائی جائے اور سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اس شخص کے ساتھ بھی بھلائی کرے جس نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا ہے۔ اس اعتبار سے حدیث کے پہلے جزؤ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص میں تقویٰ اور حسن خلق یہ دونوں اوصاف پیدا ہو جائیں تو سمجھو کہ اس کی نجات کا دروازہ کھل گیا کیوں کہ تقویٰ یعنی پرہیزگاری سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور خوش خلقی سے اللہ کی مخلوق کی خوشی ملتی ہے اور ظاہر ہے کہ جس انسان سے اللہ بھی خوش ہو اور اللہ کی مخلوق بھی تو اس کا بیڑا پار ہونے میں کیا شبہ رہ جائے گا؟

امام طہی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”تقویٰ“ کے ذریعہ تو اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ بندہ خالق (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ حسن معاملہ کرے یعنی ہر اس کام سے اجتناب کرے جس سے اس نے منع کیا ہے اور اس کام پر عمل کرے جس کا اُس نے حکم دیا ہے اور ”حسن خلق“ کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ حسن معاملہ کرے یعنی خوش خلقی اختیار کرے۔

حدیث کے دوسرے جزؤ میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ منہ اور شرمگاہ گناہ کے دو بڑے سرچشمے ہیں جن سے پیدا ہونے والی برائیوں میں پڑ کر انسان دوزخ میں جا گرتا ہے چنانچہ منہ، کہ اس میں زبان بھی داخل ہے گراہی اور بد عملیوں کا بڑا ذریعہ ہے انسان جو بھی حرام چیز کھاتا اور پیتا ہے اسی منہ کے ذریعہ نکلتا ہے اور وہ جو بھی ممنوع و ناجائز بے ہودہ فحش کلام و گفتگو کرتا ہے زبان ہی اس کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسی طرح شرمگاہ، خواہ عورت کی ہو یا مرد کی، شیطان کا سب سے دل فریب جال ہے جس میں وہ لوگوں کو پھنسا کر دوزخ میں گرا دیتا ہے چنانچہ انسان اسی شرمگاہ کے سبب جنسی جذبات سے مغلوب

ہو جاتا ہے اور نفسانی ثبوت میں بتا ہو کر اپنے خالق کی نافرمانی کرتا ہے۔

جھوٹے لطیفوں کے ذریعے لوگوں کو ہنسانے والے کے بارے میں وعید

۸۔ عَنْ يَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((وَيْلٌ لِمَنْ يَحْدِثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيَلْ لَهْ وَيَلْ لَهْ)).

[احمد: ۳/۵۰۳، الترمذی: کتاب الزہد، باب فیمن تکلم بکلمۃ یضحک بہا الناس،

رقم: ۲۳۱۵، وأبو داود: کتاب الأدب، باب فی التشدید فی الکذب، رقم: ۱۴۹۹]

”بہز بن حکیم اپنے والد حکیم بن معاویہ سے اور بہز کے دادا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: افسوس! اس شخص پر جو بات کرے تو جھوٹ بولے تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو ہنسائے افسوس اس شخص پر افسوس اس شخص پر۔“

راوی الحدیث:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابوسفیان کے ذہین و فطین فرزند تھے، اموی اور قریشی تھے، آپ کی والدہ کا نام بند بنت عتبہ ہے، فتح مکہ کے دن باپ اور بیٹا دونوں اسلام کی صدائے سحر آگین سے مانوس ہو کر اسلام میں داخل ہوئے، خلافت فاروقی میں یزید بن ابوسفیان کی وفات کے بعد شام کے والی بنے اور خلافت فاروقی کے آخری چار سال اور خلافت عثمانی رضی اللہ عنہ و خلافت علی رضی اللہ عنہ اور خلافت امام حسن تک شام کے حاکم رہے، یہاں تک کہ امام حسن بن علی نے زمام خلافت ان کے ہاتھ میں دے دی، ماہ رجب ۶۰ھ میں بعارضہ لقوہ دمشق میں وفات پائی۔

ان کے پاس سرور کائنات ﷺ کا تہ بند مبارک اور چادر مبارک اور قمیض مبارک تھے، مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے نبی مکرم ﷺ کی قمیض مبارک میں تکفین کرنا اور نبی مکرم ﷺ کی چادر مبارک میں مجھے لپیٹنا اور مجھے اللہ رب العزت کے سپرد کر دینا۔

تشریح:

”ویل“ کے معنی ہیں عظیم ہلاکت اور ویل دوزخ کی ایک گہری وادی کا نام بھی ہے جس میں اگر پہاڑ ڈال دیئے جائیں تو گرمی سے پگھل جائیں اہل عرب کے کلام میں یہ لفظ اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی برائی اور ناپسندیدہ امر کا ارتکاب کرتا ہے اور اس سے اظہار تاسف اور اس کو متنبہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنے ارشاد کے آخر میں مذکورہ لفظ کو پھر استعمال کرنا اور مکرر کرنا گویا ایسے شخص کے حق میں زجر و وعید کو زیادہ شدت کے ساتھ بیان کرنا مقصود تھا جو بے بنیاد اور جھوٹے لطائف و قصص کے ذریعہ لوگوں کو ہنسائے۔

”ویل لمن یحدث فیکذب“ میں لفظ یکذب (جھوٹ) بولنے کی قید سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ہم چلیسوں اور دوستوں کو خوش کرنے اور ان کو ہنسانے کے لیے ایسی بات کہے یا ایسے لطیفے اور قصے سنائے جو سچے ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اگرچہ یہ ضروری ہے کہ اس کو اپنی عادت نہ بنائے اور نہ لطیفہ گوئی کو بطور پیشہ اختیار کرے، باوجودیکہ مشروع و مسنون ہے لیکن اس کو کبھی کبھار ہی اختیار کیا جائے نہ کہ بیشکی کے ساتھ اسی طرح ہر وقت لوگوں کو ہنسانے اور مسخر اپن کرنے ہی میں لگا رہے اور نہ اس پر زیادہ توجہ دے کیونکہ اس کا نتیجہ نقصان اور خسران کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔

خاموشی نجات کا ذریعہ ہے

۹۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((مَنْ صَمَتَ

نَجَا»۔

۱۔ أحمد: ۲/۱۷۷، والترمذی: کتاب صفة القيامة، باب، رقم: ۲۵۰۱، والبيهقي في شعب
الایمان: باب في حفظ النساء، رقم: ۴۱۸۳، والدارمی: کتاب البرقاق، باب في الصمت،
رقم: ۲۷۱۳۔

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص
خاموش رہا اس نے نجات پائی۔“

راوی الحدیث:

آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن عمرو اور کنیت ابو محمد یا ابو عبدالرحمن ہے، سلسلہ نسب یوں
ہے: عبداللہ بن عمرو بن عاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم، قریشی اور سہمی ہیں،
بڑے اصحاب الفضائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے ہیں، صحابی بن صحابی ہیں، اپنے
والد سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، صوم داودی کے پابند تھے، تلاوت قرآن کا حال یہ
تھا کہ سات راتوں میں قرآن مجید مکمل پڑھ لیتے اور بڑھاپے تک ان کا معمول یہی رہا بلکہ
بڑھاپے میں قرآن مجید کا جو ساتواں حصہ رات کو پڑھنا ہوتا تھا وہ دن میں بھی گھر کے کسی
فرد کو سنایا کرتے تھے تاکہ رات کو پڑھنے میں سہولت ہو اور روزوں کے معمول میں اگر
کبھی غلل پڑ جاتا تو اس کا حساب رکھتے اور بعد میں اس کی تلافی کر لیا کرتے تھے۔
۶۵ھ میں مصر میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ چپ رہ کر اور زبان کو بری باتوں سے محفوظ رکھ کر دنیا کی بھی بہت
سی آفتوں سے نجات مل جاتی ہے اور دینی و اخروی طور پر بھی بہت سی بلاؤں اور نقصان
و خسران سے نجات حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ انسان عام طور پر جن بلاؤں اور آفتوں میں
بتلا ہوتا ہے ان میں سے اکثر زبان ہی کے ذریعہ سے پہنچتی ہیں۔

کلام کی قسمیں:

امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ انسان اپنی زبان سے جو بات نکالتا ہے اور جو کلام کرتا ہے اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو محض نقصان، دوسری سے محض نفع، تیسری وہ بات اور کلام جس میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی اور چوتھی وہ بات و کلام جس میں نہ نفع ہو اور نہ نقصان اس سے بھی خاموشی ہی اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ نقصان سے بچنا فائدہ حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہوتا ہے اور وہ کلام کہ جس میں نہ نفع ہو نہ نقصان تو ظاہر ہے کہ اس میں زبان کو مشغول کرنا محض وقت کو ضائع کرنا ہے اور یہ چیز بھی خالص نقصان دے ہے۔ رہی دوسری قسم یعنی وہ قسم کہ جس میں نفع ہی نفع ہو تو اگرچہ ایسی بات و کلام میں زبان کو مشغول کرنا برائی کی بات نہیں ہے لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ اس میں بھی ابتلائے آفت کا خطرہ ضرور ہوتا ہے بایں طور کہ ایسے کلام میں بسا اوقات ریاضت، خوشنودی نفس جیسی فضول باتوں کی آمیزش ہو جاتی ہے اور اس صورت میں یہ تمیز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ کہاں لغزش ہو گئی ہے حاصل یہ کہ ہر حالت اور ہر صورت میں خاموشی اختیار کرنا بہتر اور نجات کا ذریعہ ہے کیونکہ زبان کی آفتیں ان گنت اور ان سے بچنا سخت مشکل الا یہ کہ زبان کو بندی رکھا جائے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اللِّسَانُ جِسْمٌ صَغِيرٌ وَجُرْمُهُ كَبِيرٌ وَكَثِيرٌ.

”زبان کا وجود تو چھوٹا ہے مگر اس کے گناہ بڑے اور بہت ہیں“

حسن اسلام کیا ہے؟

۱۰۔ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عليه السلام قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَغْنِيهِ)).

[امام طحاوی: کتاب الخلق، باب ما جاء في حسن الخلق، رقم: ۳، وأحمد: ۱/۲۰۱]

”حضرت علی بن حسین (یعنی حضرت امام زین العابدین) کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جو بے فائدہ ہے۔“

راوی الحدیث:

آپ کا اسم مبارک علی بن حسین اور کنیت ابو الحسن یا ابو الحسین ہے، سلسلہ نسب یوں ہے: علی بن حسین بن علی بن ابی طالب الہاشمی۔

آپ تابعی ہیں ۵۸ برس کی عمر میں ۹۲ھ یا ۹۴ھ کو فوت ہوئے۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے اسلام کے حسن و خوبی اور ایمان کے کامل ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ اس چیز سے اعتنا نہ کرے جس کے ساتھ کوئی غرض متعلق نہیں ہوتی اور جس کی یہ شان نہیں ہوتی کہ کوئی شخص اس کا اہتمام کرے اور اس کے حصول میں مشغولیت اختیار کرے حاصل یہ کہ وہ چیز کوئی امر ضروری نہ ہو، چنانچہ جس چیز کو امر لایعنی کہا جاتا ہے اس کی تعریف و وضاحت یہی ہے۔ اس کے برخلاف جو چیز امر ضروری کہلاتی ہے۔ اور کوئی شخص جس کا اہتمام کرتا ہے وہ ایسی چیز ہوتی ہے جس کے ساتھ دنیا میں ضروریات زندگی اور آخرت میں سلامتی و نجات وابستہ ہوتی ہے۔ مثلاً دنیا کی ضروریات زندگی میں سے ایک تو غذا ہے جو بھوک مٹاتی ہے، دوسرا پانی ہے جو پیاس کو رفع کرتا ہے۔ تیسرا کپڑا ہے جو ستر کو چھپاتا ہے چوتھا بیوی ہے جو عفت و پاکدامنی پر قائم رکھتی ہے اور اسی طرح کی وہ چیزیں جو زندگی کی دوسری ضروریات کو پورا کریں نہ کہ وہ چیزیں جن سے محض نفس کی لذت، حرص و ہوس کی بہرہ مندی اور دنیا کی محبت کا تعلق

ہوتا ہے نیز ایسے افعال و اقوال اور تمام حرکات و سکنات بھی نہیں جو فضول و بے فائدہ ہوں اسی طرح وہ چیز کہ جس سے آخرت کی سلامتی و نجات متعلق ہوتی ہے جیسا کہ ایمان و اسلام اور احسان حاصل یہ کہ جو چیزیں دنیا و آخرت میں ضروری ہیں اور جن پر دینی و دنیوی زندگی کا انحصار و مدار ہوتا ہے اور جو مولیٰ کی رضا و خوشنودی کا سبب و ذریعہ بنتی ہیں وہ تو لایعنی نہیں ہیں ان کے علاوہ باقی تمام چیزیں لایعنی ہیں خواہ ان چیزوں کا تعلق عمل سے ہو یا قول سے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ لایعنی (بے فائدہ بات) کا آخری درجہ یہ ہے کہ تم کوئی ایسی بات اپنی زبان سے نکالو کہ جس کو اگر اپنی زبان سے نہ نکالتے تو گنہگار نہ ہوتے اور اس کی وجہ سے نہ تو تمہیں ذاتی طور پر کوئی نقصان پہنچتا اور نہ مال کے اعتبار سے اس کی مثال یہ ہے کہ فرض کرو کہ تم کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہو، اب تم نے ان کے سامنے اپنے کسی سفر کے احوال بیان کیے اس بیان احوال کے دوران تم نے ہر اس چیز کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جو تم نے اپنے سفر کے دوران دیکھی تھی مثلاً پہاڑ، دریا، عمارت وغیرہ یا جو کچھ واقعات و حادثات پیش آئے تھے ان کے بارے میں بتایا پھر تم نے ان اچھے کھانوں، عمدہ لباس و پوشاک اور دوسری چیزوں کا بھی ذکر کیا جو تمہیں ملی تھیں یا جن کو تم نے دیکھا تھا ظاہر ہے کہ تم نے جو یہ ساری تفصیل بیان کی اور جن امور کا ذکر کیا وہ یقیناً ایسی چیزیں ہیں کہ اگر تم ان کو بیان نہ کرتے تو نہ گنہگار ہوتے اور نہ تمہیں کوئی نقصان و ضرر برداشت کرنا پڑتا جب کہ اس لمبی چوڑی تفصیل بیان کرنے کی صورت میں بہت ممکن ہے کہ کسی موقع پر تمہاری زبان نے لغزش کھائی اور اس سے کوئی ایسی بات نکل گئی ہو جس سے تم گناہ گار بن گئے ہو۔

جھوٹ کی بدبو سے بیزاری

۱۱۔ عَنْ ابْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِثْلًا مِنْ نَفْسٍ مَا حَاضَهُ)).

[ترمذی: کتاب البر، باب ما حاض فی الصدق وکذب، ص: ۱۹۷۲]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔“

راوی الحدیث:

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ۳ نبوی یعنی بعثت کے تیسرے سال ہوئی، ان کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون ہے یہ مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی بہن ہیں، ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی انہی کی صاحبزادی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی، قرسی عزیز اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سب سے زیادہ باکمال صاحبزادے ہیں، جن کے صلاح و تقویٰ کی شہادت خود زبان نبوت نے دی ہے، صحیحین کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ دو فرشتے پکڑ کر مجھے آگ کے ایک کنویں کے پاس لے گئے ہیں میں اس کو دیکھ کر ڈر گیا اور ”اعوذ باللہ من النار أعوذ باللہ من النار“ پڑھنے لگا ایک اور فرشتے نے مجھ سے کہا: ڈرو نہیں، میں نے یہ خواب اپنی بہن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا:

نعم الرجل عبد الله لو كان يصلي من الليل۔

”عبداللہ بہترین شخص ہے کیا ہی اچھا ہو تہجد بھی پڑھنے لگے۔“

سالم جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے ہیں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کے بعد میرے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو بس برائے نام ہی سوتے تھے۔

سادگی کا یہ حال تھا کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لیے ان کے ہاں حاضر ہوا مجھے اندر گھر میں ہی بلا لیا، میں نے دیکھا کہ وہ اس ٹاٹ یا مونے کپڑے پر لیٹے ہوئے ہیں جو ان کے اونٹ پر کجاوہ کے نیچے ڈالا جاتا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو قاضی بنانا چاہا لیکن ان کے اصرار کے باوجود کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

اتباعِ سنت کا غیر معمولی اہتمام کرتے، اس معاملے میں کسی کی رعایت نہ کرتے ایک بار ایک شخص نے ان سے حج تمتع کے بارے میں دریافت کیا کہ تمتع کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بالکل صحیح ہے، اس شخص نے کہا کہ آپ کے والد صاحب تو تمتع کرنے سے منع کرتے تھے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا یہ بتلاؤ کہ اگر میرے والد صاحب منع کرتے ہوں لیکن رسول اللہ ﷺ نے کیا ہو تو کیا میرے والد صاحب کی اتباع کی جائے گی یا رسول اللہ ﷺ کی؟ اس شخص نے کہا کہ اتباع تو رسول اللہ ﷺ ہی کی کی جائے گی، اس کے بعد فرمایا: تو سن لو کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حج تمتع ہی کیا ہے۔

صحابہ و تابعین ان کے فضل و کمال کے بہت معترف تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ان چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار کیا ہے جن کو محدثین نے مکثورین فی الروایۃ کے

طبقہ میں ذکر کیا ہے ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۱۶۳۰ ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد وہ سب سے زیادہ احادیث نقل کرنے والے صحابی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد تقریباً ساٹھ سال زندہ رہے، غزوات میں شرکت کے علاوہ زندگی کا اکثر حصہ مدینہ اور مکہ ہی میں گزرا، لوگ جوق در جوق آتے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا علم حاصل کرتے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بڑے مشکل حالات میں بھی وہ راہ اعتدال پر ہی گامزن رہے۔

مکہ مکرمہ ہی میں ۳ یا ۴۷ھ میں تقریباً ۸۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

تشریح:

جس طرح اس مادی عالم کی مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو ہوتی ہے اسی طرح اچھے اور برے اعمال اور کلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی مادی خوشبو اور بدبو کو محسوس کرتے ہیں اور کبھی کبھی وہ اللہ کے بندے بھی اس کو محسوس کرتے ہیں جن کی روحانیت ان کی مادیت پر غالب آجاتی ہے۔

دورویہ کے بارے میں وعید

۱۲۔ عَنْ عَمَارٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ)).

[سنن الدارمی: کتاب الرقاق، باب ما قبل فی ذی الوجھین، رقم: ۲۶۶۶]

”حضرت عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دنیا میں دورویہ

رکھتا ہوگا قیامت کے دن اس کے (منہ میں) آگ کی دوزبائیں ہوں گی۔“

راوی الحدیث:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد کا نام یاسر ہے جو یمن کے رہنے والے ہیں جو بعد میں مکہ مکرمہ آ گئے تھے، اور عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام سمیہ بنتی بنتھا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اولین ایمان لانے والے سات صحابہ کرام میں چھٹی جگہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے والد یاسر رضی اللہ عنہ کو شمار کیا ہے۔

مشرکین مکہ نے ان کو آگ میں جھلسانے کی تکلیفیں دیں تاکہ یہ اسلام سے روگردانی اختیار کریں، لیکن یہ ایک پہاڑ ثابت ہوئے جو کہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا، ان کو جب کبھی آگ کی سزا ہوتی اور سرور کونین ﷺ پاس سے گزرتے تو فرماتے: اصبروا یا آل یاسر! فان موعدکم الجنة ”یعنی اے آل یاسر! صبر کرو، تمہارے لیے جنت کا وعدہ ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کو ان سے بڑی محبت تھی، ان کی حاضری اور ملاقات سے آپ ﷺ بہت خوش ہوتے، ایک بار حضرت عمار رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے گھر حاضر ہوئے اور اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

انذنا له مرحبا بالطیب المطیب.

”بلاؤ ان کو اور فرمایا: خوش آمدید اس شخص کو جو ہر طرح پاک و صاف ہے۔“

حضرت عمار رضی اللہ عنہ ۹۳ سال کی عمر میں جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

تشریح:

دورویہ اصل میں منافق صفت آدمی کو کہتے ہیں یعنی وہ شخص جو کسی کے حق میں مخلص نہ ہو، زبان سے کچھ کہے اور دل میں کچھ رکھے جب کسی کے سامنے بات کرے تو اس طرح کرے کہ مخاطب یہ سمجھے کہ یہ میرا بڑا دوست و ہمدرد ہے مگر جب اس کے پیٹھ پیچھے بات

کرے تو زبان سے ایسے الفاظ نکالے جو اس کے لیے تکلیف کا باعث ہوں۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ دورویہ والا اس شخص کو کہتے ہیں جو آپس میں محاصمت رکھنے والے دو آدمیوں میں سے ہر ایک کے منہ دیکھی بات کرے ایک کے پاس جائے تو اس کی پسند کی باتیں کرے اور وہ یہ سمجھے کہ یہ میرا دوست ہے اسی طرح دوسرے کے پاس جائے تو اس کی پسند کی باتیں کہے اور وہ سمجھے کہ یہ میرا دوست ہے غرضیکہ دونوں میں سے ہر ایک کے پاس اپنی محبت ظاہر کرے اور دوسرے کی برائی کرے اسی طرح دونوں ہی اس کے بارے میں غلط فہمی کا شکار رہیں اور ہر ایک یہ سمجھتا رہے کہ یہ میرا دوست و ہمدرد اور مددگار ہے اور میرے مخالف کا دشمن و بدخواہ!

مومن کا وصف

۱۲۔ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيءِ».

(ترمذی: کتاب الدعوات، باب ما جاء فی اللعنة، رقم: ۲۰۱۹۷۷، سنن ترمذی، ج ۱، ص ۱۵۱)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی یہ عادت نہیں ہے کہ وہ لعن طعن کرے یا فحش گوئی یا بے ہودہ کلام کرے۔“

تشریح:

اس حدیث میں ایک مسلمان کے کمال ایمان کی نشانیوں میں سے چند کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر توحید پڑھ لینے کے بعد ایمان کی تکمیل کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی

ہے۔ ان میں سے ایک اپنی زبان کو ہر طرح کی خرافات سے محفوظ رکھنا ہے۔ حدیث میں طعان اور لقان مبالغہ کے صیغوں سے بیان کئے گئے ہیں مطلب یہ ہے کہ مومن کثرت سے کسی کو لعن طعن نہیں کرتا اور نہ ہی اس کو اپنی عادت بناتا ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر وہ اپنی زبان سے ایسے سخت الفاظ کو ادا کرے۔ لعنت کا مطلب رحمت الہی سے دور ہونا ہے۔ اور سچے دل سے کلمہ توحید پڑھ لینے والا شخص مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ رحمت الہی کا مستحق ہو جاتا ہے۔ لعنت کے اصل حقدار تو وہ کافر اور مشرک ہیں جو کفر اور شرک کی حالت میں ہی فوت ہو جاتے ہیں ان کے متعلق تو اللہ تعالیٰ خود اپنے کلام میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ نَعْتَدُ لَهُمُ الْعَذَابَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ (الشوریٰ: ۶۱) اس بنا پر کوئی مسلمان لعنت کا مستحق نہیں ہو سکتا اور کافر بھی اس وقت لعنت کا مستحق بنتا ہے جبکہ وہ کفر کی حالت میں مر جائے۔ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کو بھی خواہ مسلمان ہو یا کافر لعن طعن کرے کیونکہ اس طرح آپس میں نفرت کی فضا پیدا ہوگی جس سے معاشرے میں بھی بگاڑ آئے گا۔ اس کے ساتھ فاحش اور بزدلی کا بھی بیان فرمایا کہ مومن اپنی زبان کو بے حیائی کی باتوں سے اور برے لہجوں سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ احادیث میں ان کے علاوہ بھی مومن کی چند صفات بیان کی گئی ہیں جن کا تعلق زبان سے ہے۔ مثلاً جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، گالیاں دینا وغیرہ۔ اور یہ تمام ایسی بری خصلتیں ہیں جن سے مسلمان کا انفرادی کردار بھی متاثر ہوتا ہے اور معاشرے کی اجتماعی زندگی پر بھی اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اس بنا پر تکمیل ایمان کے لیے زبان کی حفاظت کو ایک اہم جزو قرار دیا گیا ہے بلکہ انسانی وجود کی سلامتی کے لیے بھی انسان کی زبان ایک نہایت اہم جزو ہے کیونکہ ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کے مطابق انسانی وجود کے تمام اعضاء ہر صبح کو زبان کے آگے التجا کرتے ہیں کہ اللہ کے واسطے ہمارا خیال رکھیں کیونکہ

اگر تو صحیح طریقے سے استعمال ہوئی تو ہم آج کا دن آرام و سکون سے گزار لیں گے اور اگر تو غلط طریقے سے استعمال ہوئی تو اس کی سزا ہمیں بھگتنی پڑے گی اور ہم تکلیف و مصیبت میں پڑ جائیں گے۔

آپ یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ جب زبان سے کسی کو لعن و طعن یا گالی گلوچ کی جاتی ہے یا کسی کی توہین و بے عزتی کی جاتی ہے تو نتیجہ میں دونوں فریقین کے مابین لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا ہے کبھی کسی نے یہ نہیں کیا کہ میں نے اس زبان کو سزا دینی ہے جس نے مجھے لعن طعن کی یا گالی دی یا میری بے عزتی کی۔ زبان یہ سارا فتنہ پیدا کرنے کے باوجود محفوظ رہتی ہے۔ چوٹیں اور تکلیفیں اس وجود کو برداشت کرنی پڑتی ہیں اسی بنا پر نبی مکرم ﷺ نے اپنی مقدس تعلیمات میں زبان کی حفاظت پر بڑا زور دیا ہے تاکہ انسان خود بھی آرام و سکون سے زندگی گزاریں اور جو مصیبتیں اور آفتیں زبان کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں ان سے معاشرہ بھی محفوظ رہے۔ اس کے علاوہ مسلمان اللہ کی ناراضگی اور آخرت کی شرمندگی و عذاب سے بھی محفوظ رہیں۔ نبی مکرم ﷺ کی مقدس تعلیمات تو ایسی ہیں کہ مسلمان تو کیا اگر کافر بھی ان کو اپنالیں تو دنیاوی اعتبار سے ان کا معاشرہ بھی ایک مثال معاشرہ بن جائے گا۔

تائب کو طعنہ دینے کا گناہ

۱۴۔ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ مَعَاذِ بْنِ عَدِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((مَنْ غَيَّرَ أَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتَّى يَعْمَلَهُ يَعْنِي مِنْ ذَنْبٍ قَدْ تَابَ

مِنْهُ)). رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَيْسَ اسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ

لَانَ خَالِدًا لَمْ يَدْرِكْ مَعَاذَ بْنَ حَبِلٍ.

[ترمذی: کتاب صفة الغیامة، باب، رقم: ۱۹۷۴]

”حضرت خالد بن معدان حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو کسی گناہ پر عار دلاتا ہے تو وہ عار دلانے والا مرنے سے پہلے خود بھی اس گناہ میں (کسی نہ کسی طرح ضرور) مبتلا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مراد اس سے وہ گناہ تھا جس سے اس نے توبہ کر لی ہو۔“

ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ خالد نے حضرت معاذ کا زمانہ نہیں پایا ہے۔

راوی الزیث:

ایک انتہائی حسین و جمیل خوبرو نوجوان جس کی عمر ابھی بیس سال بھی نہ تھی کہ بیت عقبہ ثانیہ یا ثالثہ کے موقع پر مدینہ سے مکہ مکرمہ حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ دے کر اسلام پر جینے اور مرنے اور مرتے دم تک اسلام کی خدمت و حمایت کی بیعت کر رہا تھا۔

اسے ایمان کی دولت حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ذریعے نصیب ہوئی تھی، جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے خود ہجرت فرمانے سے پہلے ہی مدینہ کے لوگوں کو دین کی دعوت اور قرآن و سنت کی تعلیم کے لیے بھیجا تھا اس نوجوان کا نام معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نو عمری ہی میں سعادت ایمانی سے نوازدیے گئے تھے، انہوں نے قرآن مجید و سنت رسول ﷺ اور دینی مسائل کی تحصیل براہ راست رسول اللہ ﷺ سے کی تھی اور آپ ﷺ نے ان کو اس کم عمری ہی میں قرآن و سنت اور دینی مسائل کا بڑا عالم قرار دے دیا تھا، اپنی حیات ہی میں آپ ﷺ نے جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن مجید

کا معلم بنایا تھا ان میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی ہیں، صحیح بخاری وغیرہ میں آپ ﷺ کا ارشاد ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

اسْتَقْرُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنْ ابْنِ مَسْعُودٍ وَمَالِكِ بْنِ أَبِي حَازِمَةَ وَأَبِي

وَمَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ۔

یعنی ان چار حضرات سے جن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی ہیں قرآن مجید پڑھا کرو۔ ۱۰ھ میں آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا اور مدینہ سے اسی شان سے رخصت فرمایا کہ معاذ رضی اللہ عنہ (آپ کے حکم کے مطابق) گھوڑے پر سوار ہیں اور آپ ﷺ پیدل ان کے ساتھ چل رہے ہیں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بار بار عرض کرنے کے باوجود بھی ان کو گھوڑے سے اترنے کی اجازت نہیں دی، رخصت کرتے وقت آپ ﷺ نے ان کو دین کی دعوت اور اسلامی حکومت کے سلسلے کی بہت سی نصیحتیں فرمائیں، اسی سلسلے میں آپ ﷺ نے ان سے سوال فرمایا کہ اے معاذ! وہاں کے لوگوں کے درمیان اگر قضاء یعنی مقدمات کے فیصلے کرنے کی ضرورت پڑے گی تو کس طرح فیصلے کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا: اولاً تو کتاب اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے کروں گا اور اگر اس معاملے کا حل کتاب اللہ میں نہیں ملے گا تو آپ ﷺ کی سنت میں اس کا حل تلاش کروں گا ورنہ پھر خود خوب غور و فکر کر کے فیصلہ کروں گا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو بہت پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا: ”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے میرے قاصد کو خیر اور صحیح طریقہ کی توفیق عطا فرمائی۔“ اسی موقع پر آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ غالباً ہو سکتا ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو، جس پر دونوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے حکم سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن گئے تھے پھر آپ کی

وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں واپس آئے اور ملک شام کی طرف بغرض جہاد چلے گئے، اس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا معاذ رضی اللہ عنہ کے علم کی اہل مدینہ کو بہت ضرورت ہے ان کے جانے سے مدینہ میں علم کا بہت خلاء ہو جائے گا، آپ انہیں ملک شام جانے کے ارادے سے باز رکھیے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک اللہ کا بندہ شوق شہادت کے جذبہ سے میدان جہاد کے لیے جا رہا ہے میں اسے نہیں روک سکتا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ملک شام جان کے بعد وہاں طاعون کے مرض میں مبتلا ہوئے اور اسی میں ۱۸ یا ۱۷ھ میں شہید ہو گئے۔ (اسلام سائنس، ۱: ۴۵۲)

تشریح:

کسی مسلمان کا ہتھاضائے بشریت کسی گناہ میں مبتلا ہو جانا اور پھر شرمندہ و نامدوم ہو کر اس گناہ سے توبہ کر لینا اس کی سلامتی طبع اور حسن ایمان کی علامت ہے اس صورت میں کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اس مسلمان کو اس کے اس گناہ پر شرم و غیرت دلائے اور اس کو سرزنش و ملامت کرے ہاں اگر اس نے اس گناہ سے توبہ نہیں کی ہے اور اس گناہ میں مبتلا ہے تو پھر اس کو شرم و غیرت بھی دلائی جاسکتی ہے اور سرزنش و ملامت بھی کی جاسکتی ہے بشرطیکہ اس کو شرم و غیرت دلانا اور سرزنش و ملامت کرنا بطریق تکبر و بقصد تحقیر نہ ہو بلکہ تنبیہ و نصیحت کے طور پر اور اس کو اس گناہ سے باز رکھنے کے قصد سے ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ ارشاد کی یہ وضاحت کہ ”رسول اللہ کی مراد اس سے وہ گناہ تھا۔“ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منقول ہے اور یہ الفاظ اس روایت کے آخر میں نقل کئے جاتے ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو اگرچہ غریب کہا ہے اور اس میں کلام کیا ہے لیکن عراقی کہتے ہیں کہ اس روایت کو احمد اور طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

مسلمان لعنت نہیں کرتا

۱۵۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا يَكُونُ الْمُؤْمِنُ لَعَنًا)).

[ترمذی، کتاب التبر، باب ما جاء في لعنة، رقم: ۱۹۷۷]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن لعنت کرنے کا عادی نہیں ہوتا۔“

نوٹ:

اس حدیث کی وضاحت حدیث نمبر ۱۰ میں گزر چکی ہے۔

مومن جھوٹ نہیں بولتا

۱۶۔ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سَلِيمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ

جَبَانًا؟ قَالَ: ((نَعَمْ)). فَقِيلَ لَهُ: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ بَخِيلًا؟ قَالَ: ((نَعَمْ))،

فَقِيلَ لَهُ: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا؟ قَالَ: ((لَا)).

امام طحاوی، کتاب الامام مالک: کتاب الکلام، باب ما جاء في الصدق والكذب، رقم: ۱۹، والبيهقي في

شعب الإيمان، باب في حفظ اللسان، رقم: ۴۸۱۲]

”حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا

مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہو سکتا ہے۔ پھر آپ سے پوچھا گیا

کہ کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہو سکتا ہے۔ پھر جب آپ سے

پوچھا گیا کہ مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں۔“

راوی الحدیث:

آپ کی کنیت ابو عبداللہ یا ابو الحارث ہے، بنو زہرہ کا مولیٰ ہونے کی وجہ سے زہری

کہلاتے ہیں، آپ مدینہ کے رہنے والے ممتاز فقیہ ہیں۔

ابوہمزہ کہتے ہیں میں نے انہیں اتنا سرگرم عمل دیکھا ہے کہ اگر کہا جائے کل قیامت ہے تو ان سے اس سے زیادہ عمل متصور نہیں ہو سکتا، ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ صفوان بڑے زائد و عابد تھے، کثرتِ جود کی وجہ سے ان کی پیشانی زخمی ہو گئی تھی۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سردی اور گرمی کی شدت سے بیدار رہنے کے لیے صفوان رضی اللہ عنہ سردیوں میں چھت پر اور گرمیوں میں مکان کے اندر نماز پڑھتے تھے اور قیام کرتے کرتے ان کے پاؤں سو جھ جاتے تھے۔

حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کی وفات ۱۳۲ھ میں ہوئی۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ کوئی مومن کسی موقع پر بزدلی دکھا سکتا ہے اور کسی صورت میں بخل بھی ہو سکتا ہے لیکن وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا کیونکہ ایمان کی صداقت و حقانیت، کذب کے منافی ہے جو اپنی اصل اور نفس الامر کے اعتبار سے باطل و ناحق ہے۔

حدیث میں کذاب مبالغہ کے صیغہ کے ساتھ ذکر کرنا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر تقاضائے بشریت کسی موقع پر مومن سے جھوٹ سرزد ہو جائے، جیسا کہ بسا اوقات دنیا کی کسی ناجائز غرض کے تحت نہیں بلکہ مصالح اور حکمتِ عملی کے پیش نظر جھوٹ بولنا بھی ضروری ہو جاتا ہے تو ایسی صورت مستثنیٰ ہے اس کو ایمان کے منافی نہیں کہا جاسکتا۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کو حد سے نہ بڑھانا

۱۷۔ عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطَرَتْ

النَّصَارَى ابْنِ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا: عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ)).

(بحاری: کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ ﷻ "وَادْكُرُوا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ"، رقم: ۳۴۴۵،

واحمد: کتاب مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب أول مسند عمر بن الخطاب، رقم: ۱۱۴۹)

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ میری مدح و تعریف میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کرو جس طرح کہ نصاری نے ابن مریم علیہ السلام (حضرت عیسیٰ) کی تعریف میں حد سے تجاوز کیا ہے (کہ ان کو بشریت سے چڑھا کر اللہ اور اللہ کا بیٹا کہنے لگے ہیں) میں تو اللہ کا بندہ ہوں لہذا تم (مجھ کو) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔“

راوی الحدیث:

آپ کی کنیت ابو حفص، لقب فاروق اور نام عمر بن خطاب تھا، قریش کے مشہور قبیلہ بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ کے وزیر یا تدبیر تھے، آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قوت بخشی اور آپ کے عہد حکومت میں بہت سے علاقے فتح ہوئے، آپ راست گفتار اور ملہم من اللہ تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق بات آپ کے دل میں القا کی جاتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”تم سے پہلی امتوں میں محدث یعنی ایسے لوگ ہوتے تھے جو اللہ کی طرف سے

الہام کی نعمت سے خاص طور پر نوازے جاتے تھے، تو اگر میری امت میں سے

کسی کو اس نعمت سے خاص طور پر نوازا گیا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔“ (متفق علیہ)

”محدث“ اللہ تعالیٰ کے اس خوش نصیب بندے کو کہا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے بکثرت الہامات ہوتے ہوں اور اس بارے میں اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی معاملہ ہوا اور وہ نبی نہ ہو کسی نبی کا امتی ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور اس کے قلب میں حق رکھ دیا ہے۔“ (ترمذی)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وافقت ربی فی ثلاث: فی مقام ابراہیم وفی الحجاب وفی اساری بدر. (متفق علیہ)

میں نے تین باتوں میں اپنے رب سے موافقت کی (یعنی میری رائے وہ ہوئی جو اللہ تعالیٰ کا حکم آنے والا تھا) (۱) مقام ابراہیم کے بارے میں میں نے یہ خواش ظاہر کی کہ کاش ایسا ہوتا کہ مقام ابراہیم کو خصوصیت سے نماز کی جگہ قرار دے دیا جائے تو سورہ بقرہ کی آیت نمبر: ۱۲۵ نازل ہوئی اور اس میں حکم آ گیا ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّی﴾ آیت کا سہل الفہم مطلب یہ ہے کہ طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں وہ مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جائیں۔

(۲) جب تک مستورات کے لیے حجاب یعنی پردے کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، عام مسلمانوں کی طرح رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں بھی بضرورت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آمد و رفت ہوتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے داعیہ پیدا فرمایا کہ خاص کر ازواج مطہرات کے لیے حجاب کا خصوصی حکم آ جائے، چنانچہ اس بارے میں آیت نازل ہو گئی: ﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ﴾ (احزاب: ۵۴)

(۳) غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور مشرکین کی شکست کے بعد ان کے جو آدمی

گرفتار کر کے قیدی بنائے گئے ان کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ یہ سب اسلام، رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے جانی دشمن اور اکابر مجرمین ہیں، ان سب کو قتل کر دیا جائے، ان کو زندہ چھوڑ دینا ایسا ہی ہے جیسے زہریلے سانپوں کو زندہ چھوڑنا، اس بارے میں بھی سورہ انفال کی آیات نازل ہوئیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہی ایران فتح ہوا، ایران کے جو مجوسی جنگی قیدیوں کی حیثیت سے گرفتار کر کے لائے گئے وہ شرعی قانون کے مطابق مسلمانوں میں تقسیم کر دیے گئے کہ ان سے غلام اور خادم کی حیثیت سے کام لیں اور ان کے کھانے پینے وغیرہ ضروریات زندگی کی کفالت کریں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ایران سے آئے ہوئے ان اسیران جنگ میں ایک بد بخت ابولؤلؤ فیروز نامی مجوسی بھی تھا جو مشہور صحابی مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا گیا، اس نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ایک خنجر تیار کیا اور اس کے بعد رات میں مسجد شریف کے محراب میں چھپ کر بیٹھ گیا، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فجر کی نماز بہت سویرے اندھیرے میں شروع کرتے ذی الحجہ کی ۲۷ تاریخ تھی وہ حسب معمول فجر کی نماز کے لیے تشریف لائے اور محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانی شروع کر دی ابھی تکبیر تحریمہ ہی کہی تھی کہ اس خبیث ایرانی مجوسی نے اپنے دودھاری خنجر سے تین کاری زخم آپ کے شکم مبارک پر لگائے، آپ بے ہوش ہو کر گر گئے تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی، آپ پر حملہ کے بعد اس مجوسی نے اپنے آپ کو بھی قتل کر لیا۔

تین دن بعد امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ یکم محرم بروز ہفتہ شہید ہو گئے، آپ کا جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھایا اور روضہ اقدس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں آپ دفن کیے گئے۔

تشریح:

عبودیت اور بندگی کا جو سب سے اعلیٰ درجہ ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کی مخصوص صفت ہے، کہ بندہ حقیقی آپ کی ذات گرامی ہے اور صفت عبودیت میں آپ ﷺ سب سے کامل و برتر ہیں لہذا آپ کی مدح و تعریف کا کمال اور آپ کے علوم مرتبت کا بیان اسی صفت کو ظاہر کرنے میں ہے نہ کہ آپ کی ذات گرامی ﷺ کی منقبت و تعریف ایسے الفاظ سے اور ان صفات کے ذریعہ کی جائے کہ جس سے آپ ﷺ کا مقام عبودیت پیچھے رہ جائے اور وہ مقام آجائے جہاں سے معبود کی صفات شروع ہو جاتی ہیں۔

جاہلیت کی باتوں پر فخر نہ کرنا

۱۸۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبْيَةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَفَخَّرَهَا بِالْأَبَاءِ، إِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ أَوْ فَاجِرٌ شَقِيٌّ، النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ)).

[ابو داؤد: کتاب الأدب، باب فی التفاخر بالأحساب، رقم: ۱۱۶، والترمذی: کتاب المناقب،

باب فی فضل الشام واليمن، رقم: ۱۳۹۵۵]

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے طور طریقے اور اپنے باپ دادا کے حوالے سے فخر کرنا سب ختم کر دیا ہے۔ اب صرف مومن ہے گناہوں نے محفوظ یا فاجر ہے بد بخت۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔“

تشریح:

کہانہ جاہلیت میں عرب کے لوگوں میں یہ بات بہت عام تھی کہ وہ آپس میں اپنے

اپنے باپ دادا کے کارناموں کا تذکرہ کر کے ایک دوسرے پر اپنی برتری و فضیلت ظاہر کرنے کی اور دوسروں کی تحقیر کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے چاہے ان کے باپ دادا نیک و شریف ہوتے چاہے گنہگار و بدکار۔ اسلام کے آجانے کے بعد بھی کچھ مسلمانوں نے اسی جاہلیت کی روش کو اختیار کرنے کی کوشش کی۔ اس پر نبی مکرم ﷺ نے انہیں منع فرمایا اور یہ بات سمجھائی کہ اسلام میں اس قسم کی باتوں کی کوئی گنجائش نہیں اگر کسی کے باپ دادا نیک و شریف ہوں تو اس کا اجر و ثواب تو ان کو ملے گا اولاد کو اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ جس طرح جب ایک کاروباری انسان کسی کے ساتھ کوئی کاروباری معاملہ کرنا چاہتا ہے تو وہ کبھی اس بات کو مد نظر نہیں رکھتا کہ جس سے کاروباری معاملہ کرنا ہے اس کے باپ دادا کامیاب کاروباری تھے یا نہیں وہ اگرچہ اچھے اور کامیاب کاروباری ہوں لیکن محض ان کی قابلیت پر معاملہ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس سے اس کی قابلیت کے متعلق سوال کیا جاتا ہے کہ ٹھیک ہے تمہارے باپ دادا بڑے اچھے اور کامیاب کاروباری تھے لیکن ہم نے کاروباران کے ساتھ نہیں تمہارے ساتھ کرنا ہے تم اپنی قابلیت بناؤ پھر اگر وہ انسان اپنی قابلیت ثابت کر دے تو دونوں کے درمیان معاملہ طے ہو جاتا ہے ورنہ معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔

قیامت کے دن اللہ بھی ہر انسان سے اس کی قابلیت کے مطابق معاملہ کرے گا اگر باپ دادا نیک ہوں گے تو ان کا اجر و ثواب انہی کو ملے گا اولاد کو نہیں اور اگر باپ دادا کافر و مشرک ہوئے یا مسلمان ہونے کے باوجود گنہگار اور بدکردار ہوئے تو ان کا گناہ و عذاب بھی انہی کو بھگتنا پڑے گا اولاد کو نہیں۔ اولاد کے ساتھ ان کے اعمال کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔ اس لیے باپ دادا کی بنا پر خود کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا چھوڑ دو اور اس حقیقت کو ذہن میں رکھو کہ تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ایک باپ کی اولاد ہونے کی حیثیت سے تمام انسان برابر ہیں۔ ہاں اللہ کی نظر میں بڑا اور افضل وہ ہے جو زیادہ متقی

ہے جیسا کہ اللہ نے اپنے کلام میں ارشاد فرمایا:

”إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ“ (الحجر: ۱۳)

”تم لوگوں میں اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا اور قابل فضیلت وہ شخص ہے

جو زیادہ نیک، پرہیزگار اور متقی ہے۔“

نہ زیادہ مال و دولت والا اور زیادہ اولاد والا۔ لیکن یہ برتری اور کمتری اللہ کی نظر میں

ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے انسانیت کے حوالے سے اور ایک باپ آدم علیہ السلام کی اولاد

ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں کوئی افضل اور کوئی حقیر نہیں۔

بڑا بدنصیب کون ہے؟

۱۹۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((رَغِمَ أَنْفُهُ، رَغِمَ أَنْفُهُ

، رَغِمَ أَنْفُهُ)) قِيلَ: مَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: ((مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ

الْكِبَرِ، أَوْ كِلَاهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ))

[مسلم: کتاب البر والصلة والأدب، باب رَغِمَ أَنْفٌ مِنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ، رقم: ۱۶۶۲۷]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی

ذلیل ہو، وہ خوار ہو، وہ رسوا ہو، عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! کون؟ آپ نے

فرمایا: وہ بدنصیب جو ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت

میں پائے، پھر جنت حاصل نہ کر لے۔“

تشریح:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ماں

باپ تمہاری جنت اور تمہاری دوزخ ہیں یعنی ماں باپ کی خدمت اور راحت رسانی جنت

حاصل کرنے کا خاص وسیلہ ہے اور اس کے برعکس ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی آدمی کو دوزخی بنادیتی ہے پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ماں باپ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ کے ازکار رفتہ ہو جائیں تو اس وقت وہ خدمت اور راحت رسانی کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں اور اس حالت میں ان کی خدمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب اور مقبول عمل اور جنت تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ جس بندے کو اس کا موقع میسر فرمائے اور وہ ماں باپ کا یا دونوں میں سے کسی ایک ہی کا بڑھاپا پائے، اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت تک نہ پہنچ سکے بلاشبہ وہ بڑا بد نصیب اور محروم ہے اور ایسوں کے حق میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ نامراد ہوں، ذلیل و خوار ہوں، رسوا ہوں۔

ماں کا حق باپ پر

۲۰۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ؟ قَالَ: ((أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ)).

بخاری: کتاب الأدب، باب البر والصلة، رقم: ۵۹۷۱، و مسلم: کتاب البر والصلة والأدب،

باب بر الوالدین، رقم: ۴۶۲۲]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: مجھ پر خدمت اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری ماں، میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں، میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں، اس کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے، اس کے بعد جو تمہارے فریبی رشتہ دار ہوں پھر جو ان کے بعد قریبی رشتہ دار ہوں۔“

تشریح:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں سوال کرنے والے صحابی کا نام مذکور نہیں ہے لیکن جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں بہز بن حکیم بن معاویہ قشیری سے روایت کیا گیا ہے کہ میرے دادا معاویہ بن حیدہ قشیری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ ”مَنْ أَمَرُ؟“ (مجھے کس کی خدمت اور کس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے) یعنی اس بارے میں سب سے زیادہ اور سب سے مقدم حق کس کا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ”أُمُّكَ“ (تمہاری ماں کا) انہوں نے پوچھا ”ثُمَّ مَنْ؟“ (پھر کس کا حق ہے) آپ نے پھر فرمایا ”أُمُّكَ“ (انہوں نے پھر پوچھا ”ثُمَّ مَنْ؟“ (پھر ماں کے بعد کس کا حق ہے؟) تو چوتھی دفعہ آپ نے فرمایا: ”أَبَاكَ ثُمَّ الْأَقْرَبُ فَلَا قَرَبَ“ یعنی ماں کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے، اس کے بعد درجہ بدرجہ اہل قرابت اور رشتہ داروں کا حق ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں کا مضمون بلکہ سوال و جواب کے الفاظ بھی قریب قریب یکساں ہیں اس لیے اس کا بہت امکان ہے کہ صحیحین کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس شخص کے سوال کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہی معاویہ بن حیدہ قشیری ہوں جن کی حدیث ان کے پوتے بہز بن حکیم سے امام ترمذی اور امام ابو داؤد نے روایت کی ہے۔

ان دونوں حدیثوں کا صریح مدعا یہ ہے کہ خدمت اور حسن سلوک کے بارے میں ماں کا حق باپ سے زیادہ اور مقدم ہے۔ قرآن مجید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ کئی جگہ اس میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کے ساتھ خاص طور سے ماں کی ان تکلیفوں اور مصیبتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جو حمل اور ولادت میں اور پھر دودھ پلانے اور پالنے میں خصوصیت کے ساتھ ماں کو اٹھانی پڑتی ہیں۔

کبیرہ گناہوں کا ذکر

۲۱۔ عَنْ الْمُغِيرَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمّهَاتِ، وَوَادَّ النَّبَاتِ، وَمَنْعَ وَهَابٍ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ».

[بخاری: کتاب الإستقراض، باب ما یجی عن إضاعة المال، رقم: ۲۴۰۸، ومسلم:

کتاب الأقضية، باب النہی عن کثرة المسائل من غیر حاجة، رقم: ۳۲۳۷]

”حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر اس امر کو حرام قرار دیا ہے کہ ماں کی نافرمانی کرو اور لڑکیوں کو زندہ دو گور کرو اور بخیلی و گدائی اختیار کرو نیز قیل وقال، سوال کی زیادتی اور مال ضائع کرنے کو تمہارے لیے مکروہ قرار دیا ہے۔“

راوی الحدیث:

حضرت مغیرہ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، ثقفی ہیں، غزوہ خندق کے سال ۵ھ میں مسلمان ہوئے، ہجرت کی اور بعد میں کوفہ قیام فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو پہلے بصرے کا اور پھر کوفہ کا گورنر بنایا تھا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں بھی انہی کو کوفہ کا خلیفہ بنایا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے استحکام میں بڑے تدبیر کا ثبوت دیا، بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ۵۰ھ میں فوت ہوئے اس وقت ان کی عمر ستر ۷۰ سال تھی۔

تشریح:

خاص طور پر ”ماں“ کا ذکر کرنا اس سبب سے ہے کہ اولاد پر ماں کے حقوق باپ سے زیادہ ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ ماں کا حق باپ سے تین گنا ہے یا اس تخصیص کی بنیاد اس حقیقت پر ہے کہ ماں طبعی طور پر باپ سے زیادہ حساس اور کمزور دل ہوتی ہے باپ تو اولاد کی بڑی سے بڑی اذیت رسانی کو برداشت کر لیتا ہے لیکن ماں اپنی اولاد کی طرف سے ذرا سی بات میں رنجیدہ ہو جاتی ہے اگر اولاد اس کے حقوق کی ادائیگی اور اطاعت و فرمانبرداری کرنے میں معمولی سی بھی غفلت و کوتاہی کرتی ہے تو اس کا دل فوراً متاثر ہو جاتا ہے اور وہ سخت تکلیف محسوس کرتی ہے یہ اور بات ہے کہ اولاد کی تقصیر و کوتاہی سے جس قدر ماں درگزر کرتی ہے اتنا درگزر باپ نہیں کرتا اور اس کا سبب بھی ماں کا کمزور دل ہوتا ہے۔

”مَنَعَ بِا مَنَعَ“ کے معنی روکنے اور محروم کرنے کے ہیں اور اس سے مراد بخل

اور کنجوسی ہے۔

”هَاتِ“ دراصل لفظ اْتِ کے معنی میں ہے جو ایفاء کا صیغہ امر ہے اور جس کے معنی ہیں لاؤ دو! یہاں اس لفظ کو مانگنے اور سوال کرنے یعنی کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کے مضمون میں استعمال کیا گیا ہے علماء نے لکھا ہے کہ منع و هات سے مراد یہ ہے کہ اپنے مال پر دوسرے لوگوں کا جو حق واجب ہو اس کو ادا نہ کرے اور دوسروں کے مال میں سے وہ چیز لے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ نہ صرف مال میں ”منع و هات“ کو حرام قرار دیا گیا ہے بلکہ ہر طرح کے حقوق واجبہ کو ادا نہ کرنا حرام ہے ان کا تعلق خواہ مال و زر سے ہو یا افعال و احوال سے اور خواہ اقوال و گفتار سے ہو یا اخلاق و کردار سے اسی طرح کسی ایسی چیز کا مطالبہ کرنا اور مانگنا جو دوسروں پر کسی بھی طرح کے حق کے طور پر واجب نہ ہو اور دوسروں کو کسی ایسی چیز کی ادائیگی و انجام دہی کی محنت و مشقت

میں بتانا کہ جو ان پر واجب نہیں ہے، حرام ہے۔

”قِيلَ وَقَالَ“ یہ ایک محاورہ ہے جو ہماری زبان میں بھی اسی طرح مستعمل ہے اس کا اطلاق عام طور پر بے فائدہ بحث و مباحثہ، رد و کد اور حجت و تکرار پر ہوتا ہے یہاں حدیث میں بھی ”قِيلَ وَقَالَ“ کو مکروہ قرار دینے کا مطلب بے فائدہ باتیں کرنے اور بک بک کرنے سے منع کرنا ہے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ جب بے فکرے لوگ کہیں آپس میں مل بیٹھتے ہیں تو ادھر ادھر کی لالچینی باتوں میں لگ جاتے ہیں، نہ اس گفتگو کا کوئی بامقصد موضوع ہوتا ہے اور نہ کسی بات کا کوئی دینی و دنیاوی فائدہ ان کی بات چیت کا زیادہ تر موضوع غلط سلط و اتفاقات کو نقل کرنا اور جھوٹے سچے اقوال کو بیان کرنا ہوتا ہے، چنانچہ کوئی کہتا ہے کہ فلاں شخص نے ایسا ایسا کہا ہے، فلاں آدمی نے اس طرح کہا تو فلاں شخص نے یوں جواب دیا۔ غرض یہ کہ اسی طرح کے بے سرو پا اور لغو باتیں کر کے اور گپ شپ میں مشغول رہ کر وقت جیسی قابل قدر شے کو ضائع کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیل و قال کی ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ اس بحث و مباحثہ اور باہمی بات چیت کا مقصد کسی مسئلہ و معاملہ کی تحقیق اور حصول معلومات نہ ہو ہاں اگر کسی معاملہ کی تحقیق، حصول معاملات اور دوسرے نیک مقاصد کے لیے باتوں میں مشغول رہا جائے اور لوگوں کے اقوال بیان کئے جائیں تو اس پر مذکورہ ممانعت کا اطلاق نہیں ہوگا بعض حضرات نے ”قِيلَ وَقَالَ“ کی مراد بہت زیادہ باتیں کرنا لکھا ہے اور واضح کیا ہے کہ بہت زیادہ باتیں کرنا دل پر غفلت طاری کرتا ہے، بے حسی اور لاپرواہی میں مبتلا کرتا ہے اور وقت کو ضائع کرتا ہے۔

”کثرة السؤال“ یعنی سوال کی زیادتی، اس کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں ایک تو یہ کہ دوسرے لوگوں کے احوال و معاملات کی بہت زیادہ پوچھا پوچھی اور تجسس و معلومات کرنا، دوسرا یہ کہ اپنے علم کی برتری کو ظاہر کرنے یا کسی کو امتحان و آزمائش میں مبتلا کرنے یا

لاحاصل بحث و مناظرہ کی خاطر بہت زیادہ علمی سوالات کرنا اور کسی بات کو بہت زیادہ گھما بھرا کر پوچھنا اور تیسرا یہ کہ اس ممانعت کے مخاطب خاص طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جنہیں اس بات کی ہدایت کی گئی تھی کہ وہ دینی احکام و مسائل میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سوالات نہ کیا کریں اور نہ ادھر ادھر کے معاملات میں آپ ﷺ سے پوچھ پاچھ کیا کریں کیونکہ سوالات کی زیادتی و کثرت اور غیر ضروری پوچھ پاچھی کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی طبیعت کو ناگواری ہوتی ہے بلکہ زیادہ پوچھنا احکام و مسائل میں شدت و سختی اور مزید پابندیوں کا سبب بھی بن سکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

﴿لَا تَسْأَلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ...﴾ (المائدہ: ۱۰۱) یعنی ایسی باتوں کے متعلق سوال مت کیا کرو کہ اگر وہ تم کو بتادی جائیں تو تم کو تکلیف (پریشانی) ہوگی۔

”اضاعة المال“ یعنی مال کو ضائع کرنے سے مراد یہ ہے کہ اپنے مال اور اپنے روپے پیسے کو اسراف یعنی فضول خرچی میں بہایا جائے یا اس کو ایسی جگہ خرچ کیا جائے جس کا حق تعالیٰ کی اطاعت و خوشنودی سے کوئی تعلق نہ ہو جیسے کوئی شخص اپنا سارا مال اور روپیہ پیسہ یا اس کا کچھ حصہ کسی دوسرے شخص کو دے دے مگر اس کے عزیز و اقارب اور متعلقین محروم رہیں جو نہ صرف اپنے تعلق کی وجہ سے بلکہ اپنے احتیاج و ضرورت کی بنا پر بھی اس کے مال اور روپیہ پیسہ پر اپنا حق رکھتے ہوں یا کوئی شخص اپنے مال و اسباب اور دولت کو پانی میں ڈال دے یا نذر آتش کر دے اور یا کسی ایسے فاسق کو دے دے جو اس کو گناہ و معصیت کے کاموں میں خرچ کرے۔

”اضاعة المال“ کے مذکورہ بالا مسئلہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اپنے مال و دولت اور روپیہ پیسہ کو جہاں خرچ کرنا حرام یا مکروہ ہے وہاں اپنے مال اور روپیہ پیسہ کو صرف کرنا بلاشبہ اسراف اور ضائع کرنا کہلائے گا۔ یہ دونوں صورتیں بالکل

واضح ہیں اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں! اشتباہ اس جگہ ہے جہاں خرچ کرنا بظاہر تو مباح معلوم ہوتا ہو لیکن اگر اچھی طرح غور و فکر کیا جائے تو اس خرچ کے نتیجہ سے برائیاں اور ظاہری و باطنی خرابیاں نکلیں مثلاً بلا ضرورت دور دراز کے علاقوں میں مکانات بنانا، مکانات میں بے ضرورت تعمیر و ترمیم کر کے ان کو وسیع و عریض بنانا ان کی ناروا آرائش و زیبائش کی خاطر مال خرچ کرنا جہاں جس قدر خرچ کرنے کی ضرورت ہو اس سے زائد خرچ کرنا، محض نفس و طبیعت کے مزہ و لذت حاصل کرنے کے لیے حد اعتدال سے زیادہ کھانا اور اچھے اچھے کھانے کھانا، بڑائی جتانے اور اپنے آپ کو برتر ثابت کرنے کی خاطر اعلیٰ پوشاک پہننا اور اپنی شان و شوکت کو ظاہر کرنے کے لیے اونچے درجہ کی طرح معاشرت اختیار کرنا اور ان سب صورتوں میں فقراء و مساکین اور مفلس و قلاش لوگوں کی ضرورت و احتیاج سے صرف نظر کرنا اور ان کی خستہ حالی و محتاجی کی قطعاً کوئی رعایت نہ کرنا جیسا کہ خالص دنیا دار اور فضول خرچی کرنے والوں کا شیوہ ہے یہ ایسی چیزیں ہیں جن پر اپنا مال اور روپیہ پیسہ خرچ کرنا اگرچہ شریعت کے ظاہری حکم کی روشنی میں حرام قرار نہ پائے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس طرح کے اخراجات قلب و طبیعت پر تنگی و سختی اور بے مروتی طاری ہونے کا سبب بنتے ہیں اور صورت حال سے سماج و معاشرہ میں غیر فطری عدم توازن و ناہمواری کی فضا بھی پیدا ہو جاتی ہے جس سے مختلف قسم کی برائیاں ظہور میں آتی ہیں۔

اسی طرح برتنوں، ہتھیاروں اور استعمال میں آنے والی دوسری چیزوں کو سونے جوہرات اور دیگر قیمتی اشیاء سے مزین کرنا، خرید و فروخت کے معاملات میں اس طرح لا پرواہی برتنا کہ نہ تو مال کے ڈوبنے کا خوف ہو جیسے ادھار لین دین کی مدت کو ضرورت سے زائد بڑھانا اور نہ اپنے روپے پیسے کی حفاظت کا لحاظ ہو جیسے ایسی تجارت یا معاملہ میں اپنا روپیہ لگانا جس میں نقصان کا یقین ہو یا کسی چیز کو خواہ مخواہ بلا ضرورت

گراں قیمت پر خریدنا اس طرح کی چیزیں بھی اسراف یعنی فضول خرچی اور اپنے مال کو ضائع کرنے کے حکم میں داخل ہیں۔

والدین کو گالی نہ دو

۲۲۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ الْكَبَائِرُ شَتَمَ الرَّجُلَ وَالِدَيْهِ)). قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَهَلْ يَشْتَمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: ((نَعَمْ، يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ، فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ، فَيَسُبُّ أُمَّهُ)).

[بحاری: کتاب الأدب، باب لا یسب الرجل والدیه، رقم: ۵۹۷۳، ومسلم: کتاب الإیمان، باب بیان

الکبائر وأکبرها، رقم: ۱۱۳۰]

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اپنے ماں باپ کو گالی دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کے ماں باپ کو گالی دے پھر وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے (تو گویا اس نے خود ہی اپنے ماں باپ کو گالی دلوائی)۔“

تشریح:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی کا کسی دوسرے کو ایسی بات کہنا یا ایسی حرکت کرنا جس کے نتیجے میں دوسرا آدمی اس کے ماں باپ کو گالی دینے لگے اتنی ہی بری بات ہے جتنی کہ خود اپنے ماں باپ کو گالی دینا اور یہ گناہ کبیرہ کا درجہ ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں ماں باپ کے احترام کا کیا مقام ہے اور اس بارے

میں آدمی کو کتنا محتاط رہنا چاہیے۔

قطع رحمی جنت کے راستے میں رکاوٹ

۲۲۔ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ))۔

[بخاری: کتاب الأدب، باب إثم القاطع، رقم: ۵۹۸۴، ومسلم: کتاب البر والصلة والأدب،

باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، رقم: ۴۶۳۶]

”حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا (یعنی رشتہ داری اور اہل قرابت کے ساتھ برا سلوک کرنے والا) جنت میں نہ جاسکے گا۔“

راوی الحدیث:

آپ کا اسم گرامی جبیر بن مطعم ہے اور کنیت ابو محمد یا ابو عدی ہے، قرشی اور نوفلی ہیں، سلسلہ نسب یوں ہے: جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی۔

ان کے والد کا رسول اللہ ﷺ پر ایک احسان تھا جب آپ ﷺ طائف سے لوٹ کر آ رہے تھے تو انہوں نے رسولِ مکرم ﷺ کو پناہ دی تھی، جبیر مدینہ کے بعد فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور بعض لوگ کہتے ہیں فتح مکہ کے دن اسلام لائے، آپ کے سن وفات کے بارے میں اختلاف ہے، بعض لوگ کہتے ہیں ۵۷ھ میں ہوئی اور بعض لوگ ۸۰ھ اور بعض ۵۹ھ کہتے ہیں۔

تشریح:

اسی ایک حدیث سے سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں اور اللہ کے

نزدیک صلہ رحمی کی کتنی اہمیت ہے اور قطع رحمی کس درجہ کا گناہ ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قطع رحمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا سخت گناہ ہے کہ اس گناہ کی گندگی کے ساتھ کوئی جنت میں نہیں جاسکے گا یہاں تک کہ اس کو سزا دے کے پاک کر دیا جائے گا یا کسی وجہ سے اس کو معاف کر دیا جائے تو وہ جاسکے گا جب تک ان دونوں میں سے کوئی ایک بات نہ ہو جنت کا دروازہ اس کے لیے بند رہے گا۔

قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی

۲۴۔ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيءِ، وَلَكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا».

[بخاری: کتاب الأدب، باب لیس الواصل بالمکافی، رقم: ۵۹۹۱]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی صلہ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا جو بدلہ کے طور پر صلہ رحمی کرتا ہے۔ صلہ رحمی کا حق ادا کرنے والا دراصل وہ ہے جو اس حالت میں بھی صلہ رحمی کرے جب دوسرے اس کے ساتھ قطع رحمی کا معاملہ کریں۔“

تشریح:

خاندانی زندگی میں بکثرت ایسا پیش آتا ہے کہ ایک آدمی رشتہ داری اور قرابت کے حقوق ادا نہیں کرتا، اہل قرابت کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ ایسے آدمیوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کا معاملہ کیا جائے۔

ظاہر ہے کہ قطع رحمی اور حق تلفی کرنے والوں کے ساتھ جب جوابی طور پر قطع رحمی کا برتاؤ کیا جائے گا تو یہ بیماری اور گندگی معاشرے میں اور زیادہ بڑھے گی اور اس

کے برعکس جب ان کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کیا جائے گا تو انسانی فطرت سے امید ہے کہ دیرسویران کی اصلاح ہوگی اور معاشرے میں صلہ رحمی کو فروغ ہوگا۔

والدین کی خوشنودی

۲۵۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((رَضِيَ اللَّهُ فِي رِضَى الْوَالِدِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ)).

[ترمذی: کتاب البر والصلة، باب ما جاء من الفضل فی رضی الوالدین، رقم: ۱۸۹۹]

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی والد کی رضا مندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔“

تکثیرِ ریح:

حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہے کہ جو اپنے مالک و مولا کو راضی کرنا چاہے وہ اپنے والد کو راضی اور خوش رکھے اللہ کی رضا حاصل ہونے کے لیے والد کی رضا جوئی شرط ہے اور والد کی ناراضگی کا لازمی نتیجہ اللہ کی ناراضگی ہے لہذا جو کوئی والد کو ناراض کرے گا وہ رضائے الہی کی دولت سے محروم رہے گا۔

اس حدیث میں والد کا لفظ آیا ہے جو عربی زبان میں باپ ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے، ماں کے لیے والدہ کا لفظ بولا جاتا ہے اس بنا پر اس حدیث میں ماں کا ذکر صراحتاً نہیں آیا ہے لیکن چونکہ دوسری احادیث میں ماں کا درجہ باپ سے بھی بلند اور بالاتر بتایا گیا ہے اس لیے ماں کی خوشی اور ناخوشی کی بھی وہی اہمیت ہوگی اور اس کا بھی وہی درجہ ہوگا جو اس حدیث میں باپ کی رضا مندی اور ناراضگی کا بتایا گیا ہے۔

ناتا توڑنے والے اللہ کی رحمت سے محروم رہتے ہیں

۲۶۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلَى قَوْمٍ فِيهِمْ قَاطِعٌ رَحِمٍ».

[رواه البيهقي في شعب الایمان، رقم: ۷۷۲۹]

”حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں ناتا توڑنے والا ہو۔“

راوی الحدیث:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے باپ کا نام علقمہ بن قیس ہے، حضرت عبداللہ کی کنیت ابو عبداللہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ ان اصحاب رسول ﷺ میں سے ہیں جنہوں نے بیعت رضوان کی تھی۔

محمد بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک مدینہ منورہ ہی میں قیام پذیر رہے، پھر بعد میں کوفہ چلے گئے، ۸۷ھ میں کوفہ ہی میں وفات پائی۔

قنادہ حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کوفہ میں رسول اللہ ﷺ کے آخری صحابی ہیں جنہوں نے وہاں وفات پائی۔

تشریح:

”قوم“ سے مراد پوری قوم نہیں ہے بلکہ محض وہ لوگ مراد ہیں جو ناتا توڑنے والے کی مدد و حمایت کریں یا اس کو اپنے ناتے داروں کے ساتھ بدسلوکی کے ذریعہ ناتا توڑنے سے منع نہ کریں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ ”رحمت“ سے باران رحمت مراد ہو، یعنی جس قوم یا جس آبادی

کے اندر نانا توڑنے والا کوئی شخص ہوتا ہے تو نانا توڑے جانے کی وجہ سے اس قوم یا آبادی کو بارش سے محروم رکھا جاتا ہے۔

دوسروں پر رحم کرنے والے ہی اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں

۲۷۔ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا يَرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ)).

[بحاری: کتاب التوحید، باب قول الله تبارك وتعالى: ﴿قُلْ ادْعُوا اللَّهَ﴾، رقم: ۷۳۷۶،

ومسلم کتاب الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبيان والعیال، رقم: ۴۲۸۳]

”حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے لوگوں کے لیے رحم نہیں۔“

راوی الحدیث:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ انمار سے ہے، والد کا نام عبد اللہ اور والدہ کا نام بخلیہ ہے، والدہ کی نسبت ہی سے بکلی کہلاتے ہیں۔ ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ اگرچہ بہت تاخیر سے اسلام لائے لیکن ان کا شمار اعیان صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔ یہ اپنی قوم کے سردار تھے ان کے ایمان لانے کے واقعہ سے بھی ان کی عظمت اور جلالت کا پتہ چلتا ہے جس وقت مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور مسجد بھری ہوئی تھی ان کو بیٹھنے کے لیے

جگہ نہیں ملی، رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے اپنی چادر مبارک جس کو آپ ﷺ زیب تن فرمائے ہوئے تھے، بچھا دی اور فرمایا: ”اس پر بیٹھو۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے اس غیر معمولی اکرام کے متعلق آپ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اذا اتاكم كريم قوم فاكرموه۔ یعنی کسی قوم کا سردار اگر تمہارے پاس آئے تو اس کا اکرام کرنا چاہیے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو اہل مدینہ خصوصاً انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑی محبت تھی، حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو طرز عمل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دیکھا ہے اس کے بعد سے میں نے قسم کھالی ہے کہ جب بھی مجھے کسی انصاری صحابی کی صحبت کا موقع نصیب ہوگا میں ان کی خدمت ضرور کروں گا۔

باطنی کمالات کے ساتھ ساتھ اللہ نے حسن ظاہری سے بھی نوازا تھا۔ وہ انتہائی حسین و جمیل تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کو یوسف هذه الامة کہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اس امت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح حسین و جمیل ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو عراق کی جنگوں میں شرکت کے لیے بھیجا، انہوں نے ان جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے، فتح قادسیہ میں بھی ان کو بڑا دخل تھا، ان جنگوں سے فارغ ہو کر وہ کوفہ میں ہی قیام پذیر ہوئے۔ ۵۱ھ ۵۴ھ کو وہیں ان کی وفات ہوئی ہے۔

تشریح:

رحمت دراصل اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے اور رحمن اور رحیم اس کے خاص نام ہیں۔ اور جن بندوں میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا جتنا اثر ہے وہ اتنے ہی مبارک اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اتنے ہی مستحق ہیں اور جو جس قدر بے رحم ہیں وہ اللہ کی رحمت سے اسی قدر محروم

رہنے والے ہیں۔

اس حدیث میں ”الناس“ کا لفظ عام ہے جو مومن و کافر اور متقی و فاجر سب کو شامل ہے، اور بلاشبہ رحم کے سب مستحق ہیں البتہ کافر اور فاجر کے ساتھ سچی رحمہاں کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ اس کے کفر اور فجور کے انجام کا ہمارے دل میں درد ہو۔ اور ہم اس سے اس کو بچانے کی کوشش کریں، اس کے علاوہ اگر وہ کسی دنیوی اور جسمانی تکلیف میں ہو تو اس سے اس کو بچانے کی فکر کرنا بھی رحمہاں کا یقیناً تقاضا ہے اور ہم کو اس کا بھی حکم ہے۔

ماں کی خدمت بڑے سے بڑے گناہ کی معافی کا ذریعہ

۲۸۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيمًا، فَهَلْ لِي تَوْبَةٍ؟ قَالَ: ((هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ؟)) قَالَ: لَا. قَالَ: ((هَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ؟)) قَالَ: نَعَمْ قَالَ: ((فَبِرَّهَا)).

[ترمذی: کتاب البر والصلة، باب ما جاء في بر الخالة، رقم: ۱۸۲۷]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے تو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تیری ماں ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا تمہاری کوئی خالہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ: ہاں خالہ موجود ہے آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔“

تشریح:

توبہ کیا ہے؟ گناہ پر دل سے نادم و پشیمان ہو کر اللہ سے معافی مانگنا، تاکہ اللہ کے

غضب اور اس عذاب سے بچ جائے جس کا وہ گناہ کی وجہ سے مستحق ہو چکا ہے اور توبہ کی قبولیت یہ ہے کہ اللہ پاک اس کو معاف فرما دے اور اس سے راضی ہو جائے۔ یوں تو سارے ہی اعمال صالحہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ گناہوں کے گندے اثرات کو مٹاتے ہیں اور اللہ کی رضا و رحمت کو کھینچتے ہیں ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (ہود: ۱۱۴) یعنی نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ لیکن بعض اعمال صالحہ اس بارے میں غیر معمولی امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی خدمت اور اسی طرح خالہ اور نانی کی خدمت بھی انہیں اعمال میں سے ہے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہگاروں اور سیاہکاروں کی توبہ قبول فرما لیتا ہے اور ان سے راضی ہو جاتا ہے۔

بچیوں کی پرورش کی فضیلت

۲۹۔ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ عَالَ جَارِيتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَنَا وَهُوَ هَكَذَا)) وَصَمَّ أَصَابِعَهُ.

[مسلم: کتاب البر، باب فضل الإحسان إلى البنات، رقم: ۴۷۶۵]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص دو بیٹیوں کی پرورش اور دیکھ بھال کرے یہاں تک کہ وہ بلوغت کی حد تک پہنچ جائیں تو وہ شخص قیامت کے روز اس طرح آئے گا کہ میں اور وہ اس طرح ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ اپنی انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔“

تشریح:

آپ ﷺ نے اپنے اور اس شخص کے درمیان کمال قربت اور اتصال کو ظاہر کرنے

کے لیے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر دکھایا کہ جس طرح تم ان دونوں انگلیوں کو ایک دوسرے سے ملی ہوئی دیکھ رہے ہو اسی طرح قیامت کے دن میں اور وہ شخص ایک دوسرے کے قریب ہوں گے اور محشر میں ہم دونوں ایک جگہ اور ایک ساتھ ہوں گے یا وہ میرے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔

تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں

۲۰۔ عَنْ نَعْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((الْمُؤْمِنُونَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ، إِنْ اشْتَكَى عَيْنُهُ اشْتَكَى كُلُّهُ، وَإِنْ اشْتَكَى رَأْسُهُ اشْتَكَى كُلُّهُ)).

[مسلم: کتاب البر، باب تراحم المؤمنین و تعاطفهم، رقم: ۴۶۸۶]

”حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سارے مسلمان ایک شخص کی مانند ہیں کہ اگر اس کی آنکھ دکھتی ہے تو اس کا سارا جسم بے چین و مضطرب ہو جاتا ہے اور اس کا سر دکھتا ہے تو پورا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے۔“

راوی الزیث:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بنی حارث بن خزرج میں سے ہیں، ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، انصاری صحابی ہیں، ہجرت کے بعد انصار میں سب سے پہلے بچے پیدا ہوئے، نبی مکرم ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۸ سال ۷ ماہ کی تھی، ان کے والد بھی صحابی ہیں۔ کوفہ میں قیام فرمایا، امیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کے حاکم تھے، جب یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور حصص کا گورنر مقرر کر دیا، مروان بن الحکم کے زمانہ خلافت میں اہل حصص نے ۶۳ھ میں ان کو شہید کر دیا۔

تشریح:

اس ارشاد کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے مومن کی صفت اتحاد و یگانگت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی جذبہ و تعلق ایسا ہو سکتا ہے جو دنیا کے تمام انسانوں کو رنگ و نسل کے بھید بھاؤ زبان و کچھر کے اختلاف و تفاوت اور ذات و قبائل اور علاقہ کی تفرقہ بازی سے نجات دلا کر ایک انسانی برادری اور اتحاد و یگانگت کی ایک لڑی میں پروں دے تو وہ صرف ایمان و اسلام کا تعلق ہے، چنانچہ اہل ایمان جہاں بھی ہوں جس رنگ و نسل سے بھی تعلق رکھتے ہوں اور ان کی زبان و معاشرت میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن مسلمان اور مومن ہونے کی حیثیت سے وہ ایک ہیں اور ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے درمیان کوئی انسانی اونچ نیچ نہیں ہے، کوئی بھید بھاؤ نہیں ہے اور کسی برتری و کمتری کی نفرت و حقارت نہیں ہے وہ جس عقیدے کے حامل اور جس نظریہ حیات کو ماننے والے ہیں وہ اس کی روشنی میں اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ تمام انسان ایک باپ کی اولاد ہیں اور تمام مسلمان ایک زنجیر کی کڑیاں ہیں اگر وہ کڑیاں الگ الگ ہو جائیں تو زنجیر ٹوٹ کر رہ جائے گی اسی طرح اگر مسلمان تفرقہ بازی کا شکار ہو جائیں اور رنگ و نسل، زبان و کچھر اور ذات و پات کے دائروں میں سمٹ جائیں تو ان کے ملتی وجود اور ان کی اجتماعی طاقت کو انتشار و اضمحلال کا گھن لگ جائے گا اور جب ان کی اجتماعی حیثیت مجروح ہو کر غیر موثر ہو گی تو ان کا شخصی و انفرادی وجود بھی نہ صرف بے معنی ہو جائے گا بلکہ ہر شخص مختلف آفات و مصائب کا شکار ہوگا۔ اور چونکہ ملتی وجود اور اجتماعی طاقت کا سرچشمہ افراد کا آپس میں محبت و موانست کا جذبہ اور باہمی روابط و تعلق ہے اس لیے ہر مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے اس طرح ربط و تعلق رکھتا ہے جس طرح دو حقیقی بھائی ہوتے ہیں کہ آپس میں سلام و دعا کرتے ہیں باہمی میل جول اور ملاقات کرتے ہیں ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک

ہوتے ہیں۔ باہمی معاملات و تعلقات کو محبت و موانست اور رحم دلی کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں۔ تجھے تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں ایک دوسرے کی مدد و اعانت کرتے رہتے ہیں۔ اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے حالات کی رعایت اور اس کے طور طریقوں کی پاسداری کرتا ہے چنانچہ جب شخصی اور انفرادی سطح پر یہ ربط و تعلق ایک دوسرے کو جوڑنے کا ذریعہ بن جاتا ہے تو سارے مسلمان ایک مضبوط اجتماعی حیثیت اور عظیم طاقت بن جاتے ہیں۔

اس حقیقت کو اس ارشاد گرامی میں ظاہر کیا گیا ہے اور تمام مسلمانوں کو ایک بدن کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح بدن کا کوئی ایک عضو دکھتا ہو تو سارا بدن اس دکھ سے متاثر ہوتا ہے اور محض ایک عضو میں تکلیف ہونے سے پورا جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ ایک تن بن جائیں اور پوری ملت اسلامیہ ایک جسم کی مانند ہو جائے کہ اگر کسی ایک مسلمان کو کوئی گزند پہنچے یا وہ کسی آفت و مصیبت میں گرفتار ہو تو سارے مسلمان اس کے دکھ و رنج میں شریک ہوں اور سب مل کر اس کی تکلیف و مصیبت کو دور کرنے کی تدبیر کریں۔

مسلمان ظالم و مظلوم کی مدد کرو

۳۱۔ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا». فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَنْصُرُهُ إِذَا كَانَ مَظْلُومًا أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ ظَالِمًا، فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟ قَالَ: «تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ، فَذَلِكَ نَصْرُكَ إِيَّاهُ».

[بخاری: کتاب الإكراه، باب یمن الرجل لصاحبه، رقم: ۶۹۵۲، ومسلم: کتاب البر،

باب نصر الأخ، رقم: ۴۶۸۱]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔“ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جو مسلمان مظلوم ہے اس کی مدد تو مجھے کرنی چاہیے۔ لیکن میں اس مسلمان کی کس طرح مدد کر سکتا ہوں جو ظلم کر رہا ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس کو ظلم سے روکو اور یہی یعنی اس کو ظلم سے روکنا اس کے حق میں تمہاری مدد ہے۔“

تشریح:

نبی مکرم ﷺ نے اس حدیث میں جو ارشاد فرمایا کہ ”أَنْصُرُ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا“ ”تم لازم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔“

یہ ارشاد اصل میں زمانہ جہالت میں عرب کا ایک مشہور مقولہ تھا جس کی بنا پر وہ لڑائی جھگڑوں کے دوران اپنے بھائیوں، عزیز و اقارب یا قبیلہ والوں کا ساتھ دیا کرتے تھے اس سے قطع نظر کہ ان کا بھائی عزیز یا قبیلہ والا حق پر ہے یا ظلم کر رہا ہے۔ لڑائی جھگڑوں کے دوران وہ اپنی عزت و غیرت اسی بات میں سمجھتے تھے کہ اپنے بھائی کی مدد کریں اور مقابلہ کو منہ توڑ جواب دیں وہ کبھی اس بات کو جاننے کی کوشش نہیں کرتے تھے کہ آخر غلطی کس کی ہے؟ حق پر کون ہے اور ظالم کون ہے؟ چنانچہ جب نبی مکرم ﷺ نے بھی یہی ارشاد فرمایا: تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تجسس پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت میں اس قول کا مطلب تو ہم سمجھتے تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے لیکن اب اسلام کے دائرہ میں آنے کے بعد اس قول پر عمل کیسے کیا جائے گا کیونکہ اسلام نے اپنے تمام ماننے والوں کو بھائی بھائی بنا دیا ہے اب ایک بھائی کے خلاف دوسرے بھائی کی مدد کیسے کی جائے۔ اس پر نبی مکرم ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ ((تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ))۔ ”تم اس کو ظلم کرنے سے روکو۔“ جس طرح

مظلوم کا تم پر حق ہے کہ اس کے ساتھ ہونے والے ظلم و جبر کو روکا جائے اور اس کو انصاف فراہم کیا جائے اسی طرح ظالم کا بھی تم پر حق ہے کہ تم اس کو ظلم و زیادتی سے روکو کیونکہ دراصل وہ شیطانی وسوسوں کے جال میں پھنس کر یہ سب کچھ کر رہا ہے اور شیطان اس کو ان ظلم و زیادتیوں کے ذریعے جہنم پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس بنا پر یہ ظالم مظلوم کے مقابلے میں تمہاری مدد کا زیادہ مستحق و حقدار ہے کیونکہ مظلوم کو اگر دنیا میں انصاف نہ بھی ملے تو کل قیامت کے دن اللہ اس کے ساتھ ہونے والے تمام ظلموں کا حساب کرے گا اور وہاں اس کو ان ظلم و زیادتیوں کا بدلہ دے کر راضی کر دے گا لیکن یہ بیچارہ جو شیطان کے پنجے میں پھنس کر ظلم و زیادتی میں لگا ہوا ہے اس کا قیامت کے دن اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے بچنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ شیطانی وسوسوں میں پھنس کر اس کا ایمان کمزور ہو چکا ہے تم اس کو اللہ کی پکڑ سے، آخرت کے عذاب سے ڈراؤ اور شیطانی وسوسوں کی حقیقت سے اس کو آگاہ کرو تا کہ اس کا ایمان مضبوط ہو اور وہ اپنے آپ کو شیطانی وسوسوں کے جال سے باہر نکال سکے اور ہر طرح کے ظلم و زیادتی سے بچتے ہوئے آخرت میں اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے بھی بچ سکے یہ اس کے حق میں تمہاری طرف سے بہت بڑی مدد ہوگی۔

مسلمان کی خیر خواہی اور حاجت روائی کرنا

۳۲۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبَاتٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ».

[بخاری: کتاب المظالم، باب لا یضم المسلم المسلم، رقم: ۲۴۴۲، ومسلم: کتاب البر،

باب تحریم الظلم، رقم: ۴۶۷۷]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ تو خود اس پر ظلم و زیادتی کرتا ہے نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لیے اس کو بے یار و مدگار چھوڑ دیتا ہے، اور جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا اور جو کسی مسلمان کی تکلیف اور مصیبت کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے اس کی کسی مصیبت کو دور کرے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا۔“

تشریح:

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں تمام کمزور طبقوں اور ہر طرح کے حاجت مندوں، یتیموں، بیواؤں، غریبوں، مسکینوں، مظلوموں، آفت زدہ اور بیماروں وغیرہ کا بھی حق مقرر کیا گیا ہے، اور آپ نے اپنے پیروکاروں کو ان کی خدمت و خبر گیری اور ہمدردی و معاونت کی تلقین و تاکید فرمائی ہے اور اس کو اعلیٰ درجہ کی نیکی قرار دے کر اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے بڑے انعامات کی بشارت سنائی ہے۔

ہمسایہ کو تنگ نہ کرو

۳۳۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((وَاللَّهُ لَا يُؤْمِنُ، وَاللَّهُ لَا يُؤْمِنُ، وَاللَّهُ لَا يُؤْمِنُ)). قِيلَ: مَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: ((الَّذِي لَا يَأْمَنُ

جَارُهُ بَوَانَقَهُ».

[بحاری: کتاب الادب، باب اِئِمَّ مِنْ لَا يَأْمَنُ جَارَهُ، رقم: ۶۰۱۶]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم! اس میں ایمان نہیں، اللہ کی قسم! وہ صاحب ایمان نہیں، عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! کون شخص؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور تکلیفوں سے مامون اور بے خوف نہ ہوں۔“

تکشیہ:

انسان کا اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کے علاوہ ایک مستقل واسطہ اور تعلق بمسایوں اور پڑوسیوں سے بھی ہوتا ہے اور اس کی خوشگواہی اور ناخوشگواہی کا زندگی کے چین و سکون پر اور اخلاق کے بناؤ بگاڑ پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم و ہدایت میں ہمسائیگی اور پڑوس کے اس تعلق کو بڑی عظمت بخشی ہے اور اس کے احترام و رعایت کی بڑی تاکید فرمائی ہے یہاں تک کہ اس کو جزو ایمان اور داخلہ جنت کی شرط اور اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کا معیار قرار دیا ہے۔

حدیث کے الفاظ پر غور کر کے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کیسے جلال سے معمور ہے اور جس وقت آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہوگا اس وقت آپ ﷺ کا حال اور آپ ﷺ کے خطاب کا انداز کیا رہا ہوگا۔ بہر حال اس پر جلال ارشاد کا مدعا اور پیغام یہی ہے کہ ایمان والوں کے لیے لازم ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ ان کا برتاؤ اور رویہ ایسا شریفانہ رہے کہ وہ ان کی طرف سے بالکل مطمئن اور بے خوف رہیں، ان کے دل دماغ میں بھی ان کے بارے میں کوئی اندیشہ اور خطرہ نہ ہو۔ اگر کسی مسلمان کا یہ حال

نہیں اور اس کے پڑوسی اس سے مطمئن نہیں ہیں تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسے ایمان کا مقام نصیب نہیں ہے۔

پڑوسی کو تکلیف دینے والا جنت نہ جائے گا

۲۴۔ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارَهُ بَوَاقْفَةٍ)).

[مسلم: کتاب الإیمان، باب بیان تحریم إيذاء الجار، رقم: ۶۶]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جس کی شرارتوں اور ایذا رسانوں سے اس کے پڑوسی نامومن نہ ہوں۔“

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ جس آدمی کا کردار اور رویہ ایسا ہو کہ اس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور بد اطواریوں سے خائف رہتے ہیں تو وہ اپنی اس بد کرداری کی وجہ سے اور اس کی سزا پائے بغیر جنت میں نہ جاسکے گا۔

پڑوسی کے بارے میں جبرائیل کی مسلسل وصیت اور تاکید

۲۵۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِيَنِي بِالْجَارِ، حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُورِثُهُ)).

[بخاری: کتاب الأدب، باب الوصاة بالجار، رقم: ۵۵۵۶]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا کہ جبرائیل پڑوسی کے حق کے بارے میں مجھے برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا گویا کہ وہ اس کو وارث قرار دے دیں گے۔“

راوی الترمذی:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بعثت کے چوتھے سال پیدا ہوئیں، آپ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں جو اول المؤمنین ہیں اور آپ کی والدہ ماجدہ ام رومان بھی اولین مومنات میں سے ہیں۔

جب ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے خصوصی درجہ کا ایمانی تعلق رکھنے والی خاتون خولہ بنت حکیم نے آپ سے نکاح کے بارے میں گفتگو کی اور اس موقع پر انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی عرض کیا تھا، جن کی عمر اس وقت صرف چھ، سات سال کے قریب تھی، اور بخاری و مسلم و ترمذی کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب میں بھی متعدد بار رسول اللہ ﷺ کو ان کی صورت دکھلائی گئی اور بتلایا گیا کہ یہ دنیا و آخرت میں آپ کی زوجہ ہونے والی ہیں، تو آپ ﷺ نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا ہی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدین کی طرف پیغام پہنچانے پر مامور فرمایا اور شوال کے مہینے میں آپ ﷺ کا نکاح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوا، جس کے بعد تقریباً تین سال رسول اللہ ﷺ کا قیام مکہ مکرمہ ہی میں رہا۔ بعثت کے ۱۳ سال پورے ہو جانے پر آپ ﷺ نے حکم الہی مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن کے ساتھ آپ ﷺ کا نکاح تین سال پہلے مکہ مکرمہ ہی میں ہو چکا تھا، اب تقریباً ۹، ۱۰ سال کی ہو گئیں تھیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی غیر معمولی صلاحیت کا پورا اندازہ تھا اور جانتے تھے کہ تعلیم و تربیت اور سیرت سازی کا بہترین اور سب

سے زیادہ مؤثر ذریعہ صحبت ہے اس لیے انہوں نے خود ہی نبی مکرم ﷺ سے عرض کیا کہ اگر آپ ﷺ کے نزدیک نامناسب نہ ہو تو یہ بہتر ہوگا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی اہلیہ اور شریک حیات کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہیں، آپ ﷺ نے ان کو منظور فرمایا۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں صرف انہیں کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ صغریٰ یعنی ۹، ۱۰ سال کی عمر سے رسول اللہ ﷺ کی صحبت و رفاقت اور تعلیم و تربیت سے مستفید ہوتی رہیں۔ اسی طرح چند اور سعادتمیں بھی تنہا انہیں کے حصے میں آئیں، جن کا وہ خود اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ذکر فرمایا کرتی تھیں، فرماتی ہیں کہ تنہا مجھے ہی یہ شرف نصیب ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے عقد نکاح میں آنے سے پہلے سے ہی آپ ﷺ کو خواب میں میری صورت دکھائی گئی اور آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں سے تنہا میں ہی ہوں جس کا آپ ﷺ کی زوجیت میں آنے سے پہلے کسی دوسرے کے ساتھ یہ تعلق اور رشتہ نہیں ہوا، اور تنہا مجھی پر اللہ تعالیٰ کا یہ کرم تھا کہ آپ ﷺ جب میرے ساتھ ایک لحاف میں آرام فرما ہوتے تو آپ ﷺ پر وحی آتی، اور یہ کہ میں آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں سے آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھی اور اس باپ کی بیٹی ہوں جو نبی مکرم ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھے، اور یہ کہ بعض منافقین کی سازش کے نتیجے میں جب مجھ پر ایک غلط تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے میری براءت کے لیے قرآنی آیات نازل فرمائیں جن کی قیامت تک اہل ایمان تلاوت کرتے رہیں گے اور ان آیات میں مجھے پاک نبی ﷺ کی پاک بیوی فرمایا گیا، نیز اس سلسلے کی آخری آیت میں ﴿أَوَّلُنَاكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ فرما کر میرے لیے مغفرت اور رزقِ کریم کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

اور یہ بھی صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کے لیے خوش نصیبی کی بات تھی کہ آپ ﷺ نے زندگی کا آخری پورا ایک ہفتہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر میں قیام فرمایا اور آخری لحات میں بھی

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی تھیں اور جس وقت حکم الہی روح مبارک نے جسد اطہر سے مفارقت اختیار کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت بھی آپ ﷺ کے پاس ہی تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا گھر قیامت تک کے لیے آپ ﷺ کی آرام گاہ بنا یعنی اسی میں آپ ﷺ کی تدفین ہوئی۔

جب نبی مکرم ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۸ سال تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی فقیہ، عالمہ، فاضلہ، نصیحہ اور کثیر الروایت تھیں، ایام عرب کے حالات کی واقفہ اور اشعار جاہلیت کی حافظہ تھیں۔

مدینہ منورہ میں ۵۸ھ یا ۵۷ھ میں ۱۷ رمضان المبارک کو وفات پائی، آپ رضی اللہ عنہا کا ارشاد تھا کہ مجھے رات کو دفن کیا جائے، چنانچہ آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہا کی تدفین رات کو ہی کی گئی، نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ پڑوسی کے حق اور اس کے ساتھ اکرام و رعایت کا رویہ رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبریل علیہ السلام ایسے تاکید کی احکام لاتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے خیال ہوا کہ شاید اس کو وارث بنا دیا جائے گا یعنی حکم آجائے گا کہ کسی کے انتقال کے بعد جس طرح اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور دوسرے اقارب اس کے ترکہ کے وارث ہوتے ہیں اسی طرح پڑوسی کا بھی اس میں حصہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس ارشاد کا مقصد صرف ایک واقعہ کا بیان نہیں ہے بلکہ پڑوسیوں کے حق کی اہمیت کے اظہار کے لیے یہ ایک نہایت مؤثر اور مبلغ ترین عنوان ہے۔

ان احادیث سے سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت میں ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کا کیا درجہ اور مقام ہے نبوت کی زبان میں کسی عمل کی سخت تاکید

اور دین میں اس کی انتہائی اہمیت جتانے کے لیے آخری تعبیر یہی ہوتی ہے کہ اس میں کوئی بھی کرنے والا مومن نہیں یا یہ کہ وہ جنت میں نہ جاسکے گا افسوس ہے کہ اس طرح کی حدیثیں ہمارے علمی اور درسی حلقوں میں اب صرف کلامی بحثوں اور علمی مویشگافیوں کا موضوع بن کر رہ گئی ہیں۔ شاذ و نادر ہی اللہ کے وہ خوش نصیب بندے ہوں گے جو یہ حدیثیں پڑھ کر اور سن کر زندگی کے اس شعبہ کو درست کرنے کی فکر میں لگ جائیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کا مقصد و مدعا یہی ہے۔ یہ حدیثیں پڑھنے اور سننے کے بعد بھی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ برتاؤ اور رویہ کو بہتر اور خوشگوار بنانے کی فکر نہ کرنا بلاشبہ بڑی شقاوت اور بد بختی کی نشانی ہے۔

دین الہی خیر خواہی کا نام ہے

۳۶۔ عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((الْدِّينُ النَّصِيحَةُ)) ثَلَاثًا. قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: ((لِلَّهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِرَسُولِهِ، وَلِأَيِّمَةِ الْمُسْلِمِينَ، وَعَامَّتِهِمْ)).

[مسلم: کتاب الايمان، باب بيان أن الدين النصيحة، رقم: ۸۲]

”حضرت ابو رقیہ تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: دین خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم نے عرض کیا کس کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول ﷺ کے لیے، ائمہ مسلمین کے لیے اور عوام الناس کے لیے۔“

راوی الحدیث:

آپ کا اسم گرامی تمیم اور والد کا اوس الداری ہے، پہلے عیسائی تھے، ۹ھ میں مشرف باسلام ہوئے، ان کی کنیت ابو رقیہ ہے، ان کا سلسلہ نسب تمیم بن اوس بن حارثہ بن سود بن

جذب بن ذراع بن عدی ہے۔

یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد میں چراغ روشن کیا تھا، پہلے تو مدینہ میں رہتے تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شام چلے گئے اور اپنی موت تک وہیں رہے۔

تشریح:

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دین ایک نصیحت ہے۔ لفظ نصیحت عربی زبان میں بہت جامع ہے۔ ابن دقیق رشتہ کا خیال ہے کہ کلام عرب میں نصیحت سے زیادہ جامع لفظ کوئی نہیں، جو اس کے مفہوم کو واضح کر سکے۔ علامہ خطابی رشتہ نے اس کے معانی یوں بیان کئے ہیں:

((النصيحة كلمة جامعة معناها حيادة الحظ للمنصوح له))

نصيحت ایسا جامع کلمہ ہے جس کا معنی یہ ہے کہ حقدار کے حق کی حفاظت کرنا۔ اردو زبان میں اگر نصیحت کا صحیح ترجمہ تقریباً ناممکن ہے مگر ایک کلمہ جس سے ہم اس کا مفہوم سمجھتے ہیں وہ کلمہ ”خیر خواہی“ ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پہلی بات جو فرمائی کہ دین خیر خواہی کا نام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن و سنت ہر ایک کی خیر خواہی کا خیال رکھتے ہیں اور ہر ایک کی خیر خواہی کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس لیے جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دین اللہ کے لیے خیر خواہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم اللہ کو وحدہ لا شریک تسلیم کریں اور اوامر و نواہی پر کار بند رہیں تو اللہ اپنے بندوں کو عذاب سے دوچار نہیں کرے گا۔ بلکہ ان کو اپنے خاص فضل و کرم سے نوازے گا اور اگر ہم اس کی نافرمانی پر اتر آئے تو یہ اللہ کی خیر خواہی نہیں ہوگی اور بندے اپنی بد اعمالیوں کی بنیاد پر عذاب کے مستحق بن جائیں تو اللہ کا اس میں کوئی قصور نہ ہوگا۔

دوسری بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی: یہ دین اللہ کی کتاب کے لیے خیر خواہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ قرآن ہمارے لیے باعث ہدایت، باعث رحمت، باعث برکت اور باعث شفاء ہے۔

﴿وَنُزِّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ . (بنی اسرائیل: ۸۲)

”اور ہم ایسا قرآن اتارتے ہیں جو مؤمنین کے لیے باعث شفاء اور باعث رحمت ہے۔“

اگر ہم اس کے احکامات پر عمل کریں تو ہماری گمراہی اور بد انتخابی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ قرآن ہمیں زندگی میں راہ نمائی دیتا ہے۔ اگر ہم اس کے مطابق عمل کرتے رہیں تو یہ قرآن اس دنیا میں بھی باعث خیر خواہی اور آخرت میں بھی باعث خیر خواہی ثابت ہوگا۔

تیسری بات جو رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمائی وہ یہ کہ دین رسول اللہ ﷺ کے لیے خیر خواہی ہے اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی، آپ کے احکامات کو تسلیم کیا اور جس شے سے آپ نے منع فرمایا اس کو نہیں کیا تو رسول اللہ ﷺ روز قیامت اس کی سفارش فرمائیں گے اور وہ شخص دنیا و آخرت میں کامیاب ہوگا۔ مگر جس نے رسول اللہ ﷺ کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا اور نافرمانی پر اتر آیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے محروم رہے گا۔

چوتھی بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی کہ دین مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے خیر خواہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان حکمران اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کام کریں اور لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیں۔ دین و شریعت کو نافذ کریں، مسلمانوں کے حقوق کا پاس اور لحاظ کریں۔

تین آدمیوں کی عزت کرنے کا ذکر

۲۷۔ عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللَّهِ أَكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْعَالِي فِيهِ وَلَا الْجَانِي عَنْهُ، وَأَكْرَامَ السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ)).

۱۔ اُمہ دہ د: کتاب الأدب، باب فی تزیل الناس منازلہم، رقم: ۴۸۴۳، والنہیقی فی

شعب الاحسان، باب فی احب الصغیر، رقم: ۱۱۰۹۸۶

”حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: بوڑھے مسلمان کی عزت و توقیر کرنا، حامل قرآن یعنی حافظ و مفسر قرآن کا احترام و اکرام کرنا جبکہ وہ قرآن میں زیادتی کرنے والا اور اس سے ہٹ جانے والا نہ ہو اور عادل بادشاہ کی تعظیم کرنا منجملہ اللہ و الجلال کی تعظیم ہے۔“

راوی الحدیث:

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی عبداللہ بن قیس ہے، اشعر علاقہ حجاز کے ایک پہاڑ کا نام ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ مدینہ سے ملک شام جاتے ہوئے راستے میں یہ پہاڑ پڑتا ہے، اسی کے قریب قبیلہ اشعر کا مسکن تھا، اس قبیلہ کے کچھ لوگ یمن چلے آتے تھے ان ہی میں حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے لوگ بھی تھے، یہ لوگ یمن ہی میں ایمان لے آئے تھے (معجم البلدان: ۱/۱۹۸) جب ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے ہجرت مدینہ کا علم ہوا تو یمن سے سمندر کے راستے پچاس سے زائد لوگوں کا قافلہ مدینہ کے لیے نکلا، ان کی کشتی کو ہواؤں نے مدینہ کے قریب کسی ساحل پر پہنچانے کے بجائے ملک حبشہ پہنچا دیا، وہاں ان کی ملاقات حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں

سے ہوئی، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور وہ لوگ جو حبشہ ہجرت کر گئے تھے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لیے حبشہ سے روانہ ہوئے جب یہ لوگ مدینہ پہنچے اس وقت آپ ﷺ غزوہ خیبر کے لیے تشریف لے جا چکے تھے تو یہ سب حضرات بھی خیبر ہی پہنچ گئے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی چونکہ حبشہ بھی پہنچ گئے تھے اور وہیں سے مدینہ آئے تھے اس لیے بعض حضرات نے ان کو مہاجرین حبشہ میں شمار کیا ہے۔

صحیحین میں روایت ہے کہ قبیلہ اشعر کے لوگ جب رات کو اپنے گھروں میں تلاوت قرآن کرتے ہیں تو میں ان کی آواز پہچان لیتا ہوں اور اسی آواز سے ان کے مکانات کو بھی جان جاتا ہوں، خواہ میں نے ان کو دن میں ان گھروں میں آتے جاتے نہیں دیکھا۔ اس قبیلہ اشعر کی تلاوت اور قراءت قرآن کی تعریف میں آپ ﷺ نے فرمایا:

اشعرون فی الناس کصرة فیہا مسلک.

”یعنی اشعر کے لوگوں کی مثال ایک مشک بھری ہوئی تھیلی کی ہے، جس کی خوشبو ہر سو پھیلتی رہتی ہے۔“

خاص طور پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تلاوت قرآن کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ نے ان کو حضرت داود علیہ السلام کے خاندان کے لوگوں کی طرح حسن آواز اور خوش الحانی سے نوازا ہے۔“ (ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی: ”اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہوں کو بخش دیجیے اور قیامت کے دن (جنت میں) اکرام کے ساتھ داخل فرمادیجیے۔“ (مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی وہ یمن ہی میں رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ کا حاکم بنایا پھر چار سال

تک بصرہ کے گورنر رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرا کوئی حاکم ایک سال سے زیادہ کسی جگہ نہیں رہا، البتہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ چار سال بصرہ میں بحیثیت گورنر رہے۔

اہل بصرہ ان سے بہت خوش تھے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بصرہ میں کوئی حاکم بھی اہل بصرہ کے لیے ان سے بہتر نہیں آیا، بصرہ کے قیام کے زمانہ میں بڑی بڑی فتوحات ان کے ذریعہ ہوئی ہیں، اصہبان اور ابواز وغیرہ کے علاقے انہی کی سرکردگی میں فتح کیے گئے تھے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوفہ کا گورنر بنایا۔
ذوالحجہ ۴۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

تشریح:

اس حدیث کے ذریعہ مذکورہ لوگوں کی تعظیم و توقیر کی اہمیت کو ظاہر کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی شان میں بے ادبی و گستاخی کرنا گویا کہ اللہ کی تعظیم کے منافی عمل کرنا ہے۔

حامل قرآن یعنی حافظ اور مفسر قرآن کی تعظیم کو اس امر کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے کہ نہ تو غلو کرنے والا ہو اور نہ قرآن پڑھنے پڑھانے کو ترک کرنے والا ہو بلکہ اعتدال و میانہ روی کو اختیار کرنے والا ہو جیسا کہ تمام عبادات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی چنانچہ غلو نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ریاکاروں کی طرح الفاظ کی تجوید اور حسن قراءت میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے تلاوت اس قدر تیز نہ کی جائے کہ نہ تو الفاظ صحیح طور پر ادا ہوں اور نہ معنی سمجھ میں آئے قرآن کے الفاظ کے حروف میں تحریف کے ذریعہ خیانت کا ارتکاب نہ کیا جائے اور نہ غلط تسلط تاویلات اور فاسد عقائد و نظریات کے ذریعہ اس کے معنی و مفہوم میں حذف و اضافہ اور ترمیم و تبدیلی کی جائے جیسا کہ اکثر فاسد ذہن و فکر کے حامل لوگوں کا شیوہ ہے اور نہ قرآن کے احکام و ہدایات کے بارے میں شکوک و شبہات اور وسوسے پیدا

کئے جائیں اسی طرح قرآن سے نہ بٹنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کو ترک نہ کیا جائے تجوید و قراءت کے آداب و قواعد سے اعراض نہ کیا جائے اور قرآن نے جو احکام و ہدایات اور مسائل بیان کئے ہیں ان پر عمل کرنے سے گریز نہ کیا جائے۔

بعض حضرات نے غامی (قرآن میں غلو کرنے والا) اس شخص کو قرار دیا ہے جو تعلیم و تدریس، تبلیغ و اصلاح اور عبادت سے بالکل بے پرواہ ہو کر صرف تلاوت قرآن میں مشغول و مصروف رہے اسی طرح جافی (قرآن سے ہٹنے والا) اس شخص کو قرار دیا ہے جو تلاوت قرآن سے بالکل بے پرواہ اور گریزاں اور دوسری چیزوں میں مشغول رہے۔

”عادل بادشاہ“ سے مراد وہ حاکم سربراہ ہے جو حقیقی معنی میں عدل کا پیکر ہو اور اپنے عوام پر ظلم و جور کو گوارہ نہ کرتا ہو اور اس کا کوئی فیصلہ اور کوئی عمل عدل و انصاف کے منافی نہ ہو اور یہ اعلیٰ درجہ ہے اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کا عدل اس کے ظلم پر غالب ہو اس کے برخلاف اگر اس کا ظلم اس کے عدل پر غالب ہو تو اس کو عادل نہیں کہیں گے اور ایسے بادشاہ و حاکم سے دور رہنا ہی افضل ہو گا واضح رہے کہ اس دور کے اکثر حاکموں اور سربراہوں کے احوال ان کی حکومتی کاروائیاں اور ان کے نظم حکومت کو دیکھتے ہوئے ان کو ادنیٰ درجہ کا عادل کہنا بھی بڑا مشکل ہے ان کی طرف سے اپنے عوام پر جو قوانین نافذ کئے جاتے ہیں اور جس طور پر ان کے کارندے عوام کے ساتھ سلوک کرتے ہیں ان کو اگر حقیقت کے آئینے میں دیکھا جائے تو عدل و انصاف سرگوں اور ظلم و زیادتی کا غلبہ نظر آئے گا۔

مذکورہ بالا حدیث میں تین طرح کے لوگوں کی توقیر و تعظیم کرنے کے حکم کا ذکر ہے اور ”شرح السنۃ“ میں حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ یہ مسنون ہے کہ تم چار آدمیوں کی تعظیم و توقیر کرو ایک تو عالم کی، دوسرا بوڑھے شخص کی، تیسرا سلطان و بادشاہ کی اور چوتھا باپ کی۔ ملا علی قاری رضی اللہ عنہ نے اس قول کو نقل کرنے کے بعد

لکھا ہے کہ ”باپ“ کے حکم میں ماں بھی داخل ہے اور ”عالم“ سے مراد عالم باعمل ہے۔ مذکورہ بلا حدیث میں ”باپ“ کا ذکر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اول تو باپ کا معاملہ بالکل ظاہر ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ باپ کی تعظیم کرنی چاہیے دوسرا یہ کہ مستحق تعظیم قرار دینے کی زیادہ ضرورت انہی لوگوں کے حق میں ہے جو اجنبی ہوں اور جن سے کوئی قرابتی تعلق نہ ہو کیونکہ قرابت کا تعلق بجائے خود ایک انسان کو دوسرے انسان کی تعظیم و توقیر کرنے پر مائل کرتا ہے لہذا اگر شخص کا باپ بوڑھا بھی ہو حامل قرآن یعنی حافظ و عالم باعمل بھی ہو اور سلطان و حاکم بھی ہو اور اس کا سلطان و حاکم ہونا خواہ اپنے ظاہری منصب کے اعتبار سے ہو یا باطنی و روحانی طور پر تو اس صورت میں اس شخص کو اپنے باپ کی بہت زیادہ تعظیم و توقیر کرنی چاہیے کیونکہ اس کی ذات میں وہ کئی شخصیات جمع ہیں جو تعظیم و توقیر کو لازم کرتی ہیں۔

اس حدیث میں مذکورہ لوگوں کی تعظیم کو منجملہ تعظیم الہی قرار دیا گیا ہے جبکہ ایک روایت کے مطابق اس تعظیم و توقیر کو رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی بھی تعظیم و توقیر کے مترادف قرار دیا ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ أَجَلَالِي تَوْقِيرِ الشَّيْخِ مِنْ أُمَّتِي))

”اس بوڑھے شخص کی توقیر و تعظیم کرنا جو میری امت میں سے ہو منجملہ میری توقیر و تعظیم ہے۔“

یتیموں سے شفقت کرنا

۲۸۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ مَسَحَ رَأْسَ يَتِيمٍ

لَمْ يَمْسَحْهُ إِلَّا لِلَّهِ ، كَانَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ تَمَرٌ عَلَيْهَا يَدُهُ حَسَنَاتٌ ، وَمَنْ أَحْسَنَ إِلَى يَتِيمَةٍ أَوْ يَتِيمٍ عِنْدَهُ كُنْتُ أَنَا وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ)). وَفَرَّقَ بَيْنَ رِاضِعِيهِ)).

[أحمد: ۵/۲۶۵، والترمذی: کتاب البر، باب ما جاء فی رحمة الیتیم، رقم: ۱۹۱۸]

”حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی یتیم کے سر پر صرف اللہ کے لیے ہاتھ پھیرا تو سر کے جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ پھرا ہر ہر بال کے حساب سے اس کی نیکیاں ثابت ہو گئیں اور جس نے اپنے پاس رہنے والی کسی یتیم بچی یا یتیم بچے کے ساتھ بہتر سلوک کیا تو میں اور وہ آدمی جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب قریب ہوں گے اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر بتایا اور دکھایا۔“

رب العزیز:

آپ کا اسم گرامی صدی بن عجلان بن حارث ہے بعض کہتے ہیں ابن عجلان بن وہب ہے، ان کی کنیت ابوامامہ بابلی ہے، مصر میں کچھ عرصہ قیام فرمایا پھر محض تشریف لے گئے۔ ۹۱ سال کی عمر میں ۸۶ھ کو فوت ہوئے، آپ شام میں فوت ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے آخری صحابی ہیں۔

نکشِ ریح:

اس حدیث سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ یتیموں کے ساتھ حسن سلوک پر جو روح پرور بشارت اس حدیث میں سنائی گئی ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ حسن سلوک خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ اس کو بھی قاعدہ کلیہ کی طرح اس طرح کی تمام تر نغبی اور تبشیری حدیثوں میں ملحوظ رکھنا چاہیے۔

یتیموں کو کھانا کھانا

۲۹۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ أَوَى يَتِيمًا إِلَى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ أَوْجَبَ اللَّهُ الْجَنَّةَ الْبَتَّةَ إِلَّا أَنْ يَعْمَلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ)).

یعنی فی شرح السنہ: کتاب الاستئذان، باب تہاتر کافل الیتیم، رقم: ۱۳۵۷

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے جس بندے نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم بچے کو لے لیا اور اپنے کھانے پینے میں شریک کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بالضرور جنت میں داخل کرے گا الا یہ کہ اس نے کوئی ایسا جرم کیا ہو جو ناقابل معافی ہو۔“

راوی الحدیث:

رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حمر الامہ امام التفسیر و ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن بن عباس رضی اللہ عنہما کی ولادت ہجرت سے تین سال قبل ہوئی اپنے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور والدہ ام الفضل رضی اللہ عنہما کے ساتھ فتح مکہ سے کچھ پہلے ہجرت کر کے مدینہ رسول ﷺ چلے آئے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر کل ۱۳ سال تھی، ان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کا موقع تو بہت کم ملا، لیکن ذوق و شوق اور طلب علم نے اس کی کمی کی تلافی کر دی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو جو دعائیں زبان نبوت سے ملی ہیں ان کی مثال کہیں مشکل سے ہی ملے گی اور یہ انہیں دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کو حمر الامہ، ترجمان القرآن، بحر العلم، امام التفسیر جیسے الفاظ سے یاد کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نعم ترجمان القرآن ابن عباس لو ادرك اسناننا ما عشره هنا أحد.

(تذکرۃ الحفاظ: ۹۰، فتح الباری: ۱۲، ۱۰۰)

”ابن عباس رضی اللہ عنہما بہترین مفسر قرآن ہیں، اگر وہ ہم لوگوں کی عمر پاتے تو ہم میں سے کوئی بھی ان کے مساوی نہ ہو سکتا تھا۔“

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ حاضر دماغ، عقلمند، صاحب علم اور حلیم و بردبار شخص نہیں دیکھا۔ (سیر اعلام النبلاء: ۳/۳۴۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو کہتے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھو، ہو اعلم الناس بما انزل علی محمد ﷺ۔ وہ قرآن کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

حضرت مجاہد تابعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان کے علم کی وجہ سے لوگ بحر العلوم کہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا شمار ان چھ، سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہے جن کو مکشون فی الحدیث کہا جاتا ہے اور ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۶۶ یا اس سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بہت حسین و جمیل اور وجیہ تھے، ۶۸ھ میں طائف میں وفات پائی، حضرت محمد بن الحنفیہ (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں) نے نماز جنازہ پڑھائی۔

تشریح:

اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ یتیم کی کفالت و پرورش پر داخلہ جنت کی قطعی بشارت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ آدمی کسی ایسے گناہ کا مرتکب نہ ہو جو اللہ کے نزدیک ناقابل معافی ہو (جیسے شرک و کفر اور خون ناحق وغیرہ) دراصل یہ شرط اس طرح کی تمام تبشیری حدیثوں میں ملحوظ ہوتی ہے اگرچہ الفاظ میں مذکور نہ ہو بہر حال اس طرح کی

تمام تر غیبی اور تبشیری حدیثوں میں بطور قاعدہ کلیہ کے اس کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

مسلمان کو بے عزتی سے بچانا

۴۰۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: ((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَرُدُّ مِنْ عِرْضِ أَخِيهِ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الروم: ۴۷)

(یعنی فی شرح السنۃ: کتاب الاستئذان، باب الذل عن المسلمین، صفحہ: ۳۵۲۸)

”حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو مسلمان کسی کو اپنے مسلمان بھائی کی آبروریزی یعنی اس کی غیبت کرنے سے روکے اور اس کا دفعیہ کرے تو اللہ پر اس کا حق ہے کہ وہ قیامت کے دن اس سے دوزخ کی آگ کو دور کرے پھر رسول اللہ ﷺ نے (اپنے قول کا حَقًّا کو ثابت کرنے کے لیے) یہ آیت پڑھی ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ یعنی (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) مومنین کی مدد کرنا ہم پر واجب ہے۔“

راوی الحدیث:

آپ کی کنیت ابو الدرداء اور نام عویمیر بن عامر ہے، انصاری اور خزرجی ہیں کنیت سے ہی مشہور ہیں، آپ کو اس امت کا حکیم کہا جاتا ہے جنگ بدر کے بعد اسلام قبول کیا، آپ نے براہ راست رسول مکرم ﷺ سے قرآن حفظ کیا تھا، اہل شام کے عالم اور قرآن کے معاملے میں اہل دمشق کے استاد تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے آپ کے اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے درمیان عہد مواخاۃ قائم کیا تھا آپ کا اپنا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں تجارتی کاروبار کرتا تھا میں

تجارت اور عبادت دونوں کو ساتھ ساتھ جاری رکھنا چاہتا تھا، لیکن دونوں باہم نہ چل سکیں، چنانچہ میں نے تجارت ترک کر دی اور عبادت میں مصروف ہو گیا، اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں موت کو، تواضع اور فروتنی کے لیے فقر کو اور گناہ معاف کرانے کے لیے بیماری کو دوست رکھتا ہوں۔

قاسم بن عبد الرحمن کہتے ہیں: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا ان لوگوں میں شمار ہوتا تھا جنہیں فراوانی کے ساتھ علم عطا ہوا ہے، حضرت لیث ایک آدمی کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ان کے ساتھ اتنے آدمی تھے جیسے کسی بادشاہ کے ساتھ لوگ ہوتے ہیں۔ یہ سب آپ سے مسائل دریافت کرنے کے لیے آئے تھے۔

آپ نے عمر کا آخری حصہ دمشق میں گزارا اور وہیں ۳۲ھ میں وفات پائی۔

تشریح:

اس حدیث میں نبی مکرم نے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے ایک ایسے حق کی نشاندہی کی ہے جس سے اکثر لوگ غفلت برتتے ہیں۔ اور ساتھ ہی آپ ﷺ نے اس حق کے ادا کرنے والے کو ایسی خوشخبری دی ہے جو ہر مسلمان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی بے عزتی ہو رہی ہو اور وہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی توہین اور بے عزتی نہ کرنے دے تو کل قیامت کے دن اللہ رب العزت ایسے مسلمان سے جہنم کی آگ کو بہت دور کر دے گا یعنی وہ شخص جہنم جانے سے بچ جائے گا۔ لیکن اس قسم کی احادیث سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اگر کوئی مسلمان اپنے فرائض و واجبات ادا نہ کرے اور صرف کسی مسلمان بھائی کی توہین اور بے عزتی کرنے سے اگلے کو روک دے تو وہ جنت چلا جائے گا اور جہنم سے بچ جائے گا بلکہ ان جیسی

احادیث کا اصل مقصد یہ بات سمجھانا ہوتا ہے کہ جس طرح فرائض اور واجبات جہنم سے بچانے اور جنت میں لے جانے کا ذریعہ ہیں اسی طرح اسے یہ مذکورہ کام بھی جنت لے جانے اور جہنم سے بچانے کا ذریعہ ہے۔ مگر اکثر مسلمان ایسے ہیں کہ جب ان کے سامنے کسی مسلمان بھائی کی توہین اور بے عزتی کی جاتی ہے تو بجائے اس کا دفاع کرنے کے ساتھ مل کر اس کی توہین کرتے ہیں یا پھر اطمینان سے اس کی باتوں کا لطف اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ لوگ کسی مسلمان بھائی کی توہین اور بے عزتی پر لطف اندوز ہونے کی بجائے اس توہین کرنے والے کو روکیں اور اپنے مسلمان بھائی کی عزت کی حفاظت کریں تو بدلہ میں جو بشارت نبی مکرم ﷺ کی سچی اور پاکیزہ زبان سے دی گئی ہے وہ کم نہیں ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنا حق ادا کرتے ہوئے اس عظیم بشارت کے مستحق بنیں۔

العبد العاجز

محمد علی جانباز

جامعہ رحمانیہ ناصر روڈ سیالکوٹ

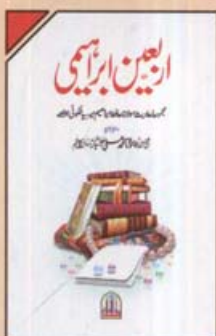
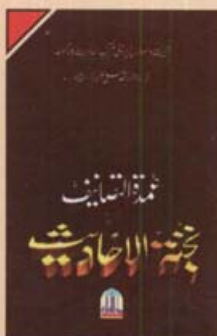
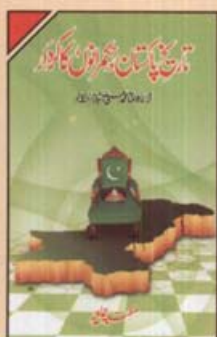
اپریل 2008ء



لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُهُ

۹۹۔۔۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

لسب



دَارُ الْإِبْتِلَافِ

کتاب و سنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ